خطوط کا فریب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۲۵۹

# خطوط کا فریب

اشتیاق احمد

طابع : اشتیاق احمد، نقش محمد
مطبع : زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور
خوشنویس : محمد عبدالستار، دلبر جنگ
[illegible] : [illegible]

مکتبہ اشتیاق۔ راجپوت مارکیٹ اردو بازار، لاہور

فون نمبر۔ 57494

## دو باتیں

اس بار کے مجرم سے مل کر آپ کو بہت خوشی ہوگی، خوشی کیوں ہوگی یہ میں نہیں بتا سکتا۔ ویسے تو آپ یہ اعتراض بھی کر سکتے ہیں کہ بھلا کہیں مجرموں سے مل کر بھی کوئی خوش ہوا کرتا ہے۔ تو جناب، اس خوشی کو ذرا دوسرے معنوں میں لیں۔ یعنی لطف آئے گا، آپ کو۔ اب میں یہ نعرہ تو لگانے سے رہا کہ مزا نہ آئے تو پیسے واپس، کیونکہ میں ریڑھی پر کھانے کی کوئی چیز نہیں بیچ رہا۔ ایسے نعروں پر تو کوئی یوں بھی اعتبار نہیں کرتا۔ کسی کو پیسے واپس دیتے ہوئے دیکھا ہے آپ نے۔ آپ کو ناول میں کئی بار چونکنا پڑے گا اور آخری لمحے تو بہت خوف ناک ہوں گے۔ آپ بے ساختہ محمود، فاروق اور فرزانہ کو داد دے اٹھیں گے۔ یہ ناول پڑھنے کے بعد آپ یوں بھی ایک طرح کی طمانیت محسوس کریں گے۔ کیوں کریں گے، یہ میں آپ کو نہیں بتا سکتا۔ کیوں نہیں بتا سکتا، افسوس، یہ بھی تو نہیں بتا سکتا۔ بہتر یہی ہے کہ آپ پڑھ کر دیکھ لیں۔ جن بچوں نے عید کارڈ بھیجے میں ان کا دل سے شکر گزار ہوں۔

اشتیاق احمد

## حدیث شریف

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے جہاد نہ کیا اور نہ جہاد کا خیال دل میں کھٹکا تو اس کی موت نفاق کی ایک شاخ پر ہوگی۔

**تشریح:** جس شخص نے جہاد نہ کیا یا اس کے دل میں یہ کھٹک پیدا نہ ہوئی، کہ کاش، اسے بھی جہاد کا موقع نصیب ہوتا، تو اس کی موت گویا ایک طرح منافق کی موت ہوگی۔

---

### ناول پڑھنے سے پہلے:

- یہ دیکھ لیں کہ یہ وقت نماز کا تو نہیں۔
- آپ کو سکول کا کام تو نہیں کرنا۔ کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں
- گھر والوں نے آپ کے ذمے کوئی کام تو نہیں لگایا۔
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی بھی بات ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں۔ پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہوئیں پھر ناول پڑھیں۔ خود کو بھی کانٹوں میں نہ گھسیٹیں اور مجھے بھی الجھنے سے بچائیں۔ شکریہ۔

مخلص: اشتیاق احمد

---



# وہ آگیا ہے

انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ ایئرپورٹ جانے کی تیاری میں مصروف تھے کہ اچانک فون کی گھنٹی نے انہیں چونکا دیا:

"یہ فون کی نہیں خطرے کی گھنٹی ہے۔" فاروق بول اٹھا۔

"تمہارے کان بجنے لگے ہیں شاید۔ اب تم فون کی گھنٹی کو بھی خطرے کی گھنٹی سمجھنے لگے ہو۔ ایک دن آئے گا، جب خطرے کی گھنٹی تمہیں فون کی گھنٹی محسوس ہونے لگے گی۔" فرزانہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے تم پہلے ہی خار کھائے بیٹھی تھیں اور کوئی جلا کٹا جملہ بولنے کے لیے پر تول چکی تھیں، گویا بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا اور تمہیں منہ کھولنے کا موقع مل گیا۔" فاروق نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"وقت برے کی۔ ایک فون کی گھنٹی کیا بجی، انہیں منہ کھولنے کا سنہری موقع میسر آ گیا۔" محمود نے جھلا کر ان پر ہاتھ مارا۔

بیگم جمشید مسکرا کر رہ گئیں۔ اس وقت تک انسپکٹر جمشید فون کی طرف جا چکے تھے، پھر انہوں نے ان کی حیرت زدہ سی آواز سنی:

"اوہو، تو یہ آپ ہیں ـــ افسوس میں آواز پہچان نہیں سکا۔"

پھر وہ دوسری طرف کی بات سنتے رہے۔ ان کی پیشانی پر الجھن نمودار ہونے لگی۔ یہاں تک کہ جب انہوں نے یہ کہہ کر ریسیور رکھا کہ اچھا میں پہنچ رہا ہوں تو وہ پوری طرح پریشان ہو چکے تھے ـــ

"خیر تو ہے ابا جان۔" فرزانہ نے بھی پریشان آواز میں پوچھا۔

"فون وزیر خارجہ کے ایک دوست کا تھا۔ وہ کسی شدید پریشانی میں مبتلا ہو گئے ہیں اور مجھے فوری طور پر مدد کے لیے بلانا چاہتے ہیں۔"

"اوہ، لیکن ہمیں تو ایئر پورٹ جانا ہے۔" محمود بولا۔

"ہاں، یہی تو الجھن ہے۔" انہوں نے سوچ میں گم آواز میں کہا ـــ

"آپ نے یہ نہیں بتایا: انہیں کیا پریشانی لاحق ہو گئی ہے۔"

"ان کا کہنا ہے کہ کوئی شخص انہیں جان سے مار ڈالنا چاہتا ہے۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا ـــ ان کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا ـــ

"پھر اب آپ نے کیا سوچا ہے۔"



"یہ کہ، مہمان کو لینے تم تینوں جاؤ گے۔ میں منان کھوٹو صاحب کے ہاں جاتا ہوں۔"

"منان کھوٹو، یہ کیسا نام ہوا؟"

"بھئی منان نام تو عام ہے، کھوٹو شاید کوئی ذات ہے یا پھر یہ ان کے آبائی گاؤں کا نام ہوگا۔" انہوں نے خیال ظاہر کیا۔

"ضرور یہی بات ہے ـــ تو مہمان کو لینے ہم تینوں کو جانا ہوگا، لیکن ابا جان، ہم مہمان کو پہچانیں گے کیسے؟" محمود پریشان ہو کر بولا۔

"جیسے میں پہچانتا ـــ بارانی صاحب نے ان کی تصویر ساتھ بھیجی تھی۔ اب وہ تصویر میں تمہیں دے دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر میز پر ڈال دیا ـــ انہوں نے لفافے میں سے تصویر نکال کر دیکھی ـــ یہ ایک نوجوان اور خوبصورت آدمی کی تصویر تھی ـــ چہرے مہرے سے وہ دبلا پتلا آدمی جان پڑتا تھا۔ تصویر میں صرف کندھے اور چہرہ نظر آ رہا تھا، لہٰذا قد و قامت کا اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔

"تو یہ ہیں آپ کے دوست۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں، اب تم دیر نہ کرو ـــ کہیں جہاز تمہارے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی نہ آ جائے اور یہ بے چارے پریشان ہوں۔ پھر ہمیں ان کی الجھن بھی سننی ہے اور اسے بھی حل کرنا ہے۔" انہوں نے کہا۔

"گویا اس مرتبہ ہمیں بیک وقت دو معاملوں سے واسطہ آپڑا ہے، تو پھر ابّا جان ایسا کیوں نہ کریں۔" فرزانہ کہتے کہتے رک گئی۔

"کیسا کیوں نہ کریں۔" فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ایسا کہ ایک معاملہ ہم اپنے ذمّے لے لیتے ہیں اور دوسرا معاملہ ابّا جان۔۔۔ نہ یہ ہمارے معاملے میں دخل دیں گے، نہ ہم ان کے معاملے میں۔"

"ترکیب شان دار ہے۔" محمود خوش ہو کر بولا۔

"اتنی بھی شان دار نہیں، جتنا تم خوش ہو رہے ہو۔" فاروق بولا۔

"اچھا چلو، اس سے قدرے کم ہو گی۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے ابّا جان۔"

"چلو بھئی، یوں ہی سہی، لیکن خیال رہے، مہمان کو کسی قسم کی پریشانی اور تکلیف نہ ہو۔ وہ میرے بہت ہی اچھے دوست کے دوست ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ ان کی پریشانی ہم اپنی پریشانی خیال کریں گے۔" فاروق بولا۔

"تو پھر آؤ چلیں۔۔۔ تم ٹیکسی سے جاؤ گے، میں جیپ میں۔" انھوں نے جلدی سے کہا۔

اور وہ بیگم جمشید کو خدا حافظ کہہ کر گھر سے باہر نکل آئے۔ بیگم جمشید



نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ انسپکٹر جمشید تو فوراً ہی جیپ میں بیٹھے اور روانہ ہو گئے۔ یہ تینوں سڑک پر آئے اور پھر انہیں بھی ایک ٹیکسی مل گئی۔

انسپکٹر جمشید کا ایک دوست مدت ہوئی ملک سے باہر گیا ہوا تھا۔ ایک عرصہ سے اس کی کوئی خیر خبر نہیں ملی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ باہر جا کر انہیں بھول گیا ہے، لیکن پھر اچانک اس کا خط ملا تھا۔ خط میں اس نے اپنی ان مشکلات کا ذکر کیا تھا جو ملازمت حاصل کرنے کے سلسلے میں اسے پیش آئی تھیں۔ اب کہیں جا کر وہ ایک اچھی ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا اور یہ ملازمت اسے اس شخص کی وجہ سے ملی تھی جو آج ان کے ہاں مہمان آرہا تھا۔ اس نے خط میں لکھا تھا کہ اس کے محسن کو ان کے ملک میں ایک ضروری کام ہے، لہٰذا اسے نہ صرف اپنے گھر میں مہمان رکھنا ہے، بلکہ اس کام کے سلسلے میں اس کی مدد بھی کرنا ہے۔ اشارتاً دوست نے یہ بھی لکھا تھا کہ اس کے محسن کو جو معاملہ درپیش ہے، وہ ذرا جاسوسی قسم کا ہے اور اس چیز نے ان پر جوش کی حالت طاری کر دی تھی۔۔۔ جاسوسی معاملوں کو تو وہ پہلے ہی ہر وقت خوشی خوشی لینے کے لیے تیار رہتے تھے، چنانچہ محمود، فاروق اور فرزانہ یہ جاننے کے لیے بُری طرح بے چین تھے کہ ان کے مہمان کو کیا معاملہ درپیش ہے وہ بھی ان کے ملک میں، جب کہ وہ ایک غیر ملکی ہے۔

جہاز آنے سے دس منٹ پہلے وہ ایئر پورٹ پر پہنچ گئے۔ آخر انہوں نے جہاز کو اترتے دیکھا، پھر مسافر اس میں سے اترے اور وہ اس دروازے کی طرف لپکے، جس میں سے مسافروں کو نکل کر باہر آنا تھا۔ آدھ گھنٹے کے بعد انہیں تصویر والے شخص کا چہرہ دکھائی دیا اور وہ اس کی طرف بڑھے۔

(0)

ابھی ان لوگوں کو گئے پندرہ منٹ گزرے ہوں گے کہ دروازے کی گھنٹی بج اٹھی۔ بیگم جمشید باورچی خانے میں مہمان کے لیے پُر تکلف کھانا تیار کرنے میں مصروف تھیں، گھنٹی کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ انداز بالکل غیر مانوس تھا۔ آخر دروازے پر پہنچیں اور چٹخنی گرائے بغیر بولیں:

"کون؟"

"ایک سوالی آپ کے دروازے پر کھڑا ہے بیگم صاحبہ۔"

"سوالی، کیا مطلب؟" وہ چونکیں۔

"ایک غریب ضرورت مند۔ محتاج اور بے کس۔ خدا کے لیے میری کچھ مدد فرمائیے۔"

"اچھا ٹھہرو۔" انہوں نے کہا۔ تیز تیز چلتی اندر آئیں۔ پرس میں



سے کچھ پیسے نکالے اور پھر دروازے پر آئیں۔ چٹخنی گراتے ہوئے انہوں نے کہا:

"یہ لو بھئی۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازے کو ایک دھکا لگا۔ وہ لڑکھڑا گئیں۔ سنبھلتے سنبھلتے انہوں نے ایک لمبے قد کے آدمی کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے چٹخنی لگا دی۔

"کون ہو تم؟" بیگم جمشید غرائیں۔

"فکر نہ کرو، میں ابھی اپنا تعارف بھی کراؤں گا اور آنے کا مقصد بھی بتاؤں گا۔ بس تم میرے ہاتھ پر نظر رکھنا۔ تم نے کوئی غلط حرکت کی نہیں اور میری انگلی حرکت میں آئی نہیں۔ یہ بھی بتاتا چلوں کہ پستول بے آواز ہے۔" اس نے سرد آواز میں کہا۔ بیگم جمشید نے دیکھا، اس کے ہاتھ میں ایک ننھا سا پستول چمک رہا تھا۔

"کیا چاہتے ہو؟" انہوں نے خوف زدہ ہوئے بغیر کہا۔

"صحن کی طرف چلو۔ میں کھڑے رہ کر باتیں کرنے کا عادی نہیں ہوں۔" یہ کہہ کر وہ صحن میں آکر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ بھی نزدیک چلی آئیں۔

"تم اپنے لیے مصیبت کو دعوت دے چکے ہو۔" بیگم جمشید نے منہ بنایا۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میری مصیبت تمہارے گلے پڑ جائے۔"

وہ مسکرا کر بولا۔

بیگم جمشید نے اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ اس کا رنگ سانولا سا تھا، چہرہ بھاری بھرکم۔ چہرے کی نسبت اس کا جسم بہت دبلا پتلا تھا۔ اس چہرے کے نیچے تو بہت موٹا تازہ جسم ہونا چاہیے تھا۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں ایک تیز چمک تھی۔ ناک لمبی اور درمیان سے ابھری ہوئی تھی۔ ہونٹ بھی بہت موٹے اور بھدے تھے۔ سر کے بال گھنے سیاہ، چہرہ ڈاڑھی مونچھوں سے بے نیاز تھا۔

"میرا نام جیکب ہے۔ میرے دوست مجھے صرف جیک کہہ کر پکارتے ہیں اور اب میں یہاں آنے کے مقصد کی طرف آتا ہوں۔ سنو بڑی بی۔"

"بڑی بی۔" بیگم جمشید نے جھلا کر کہا۔ انہیں بے تحاشا غصہ آگیا۔

"شاید تم بڑی بی کہلوانا پسند نہیں کرتیں۔ خیر تو سنو مسز جمشید! آج تمہارے گھر میں ایک مہمان آرہا ہے۔ تمہارے شوہر اور بچوں کو میرا مشورہ ہے کہ اس شخص کی کسی معاملے میں مدد نہ کریں۔ چلو گھر میں مہمان ٹھہرا لو اور بس۔ اگر تم لوگوں نے اس کے معاملے میں کچھ کاروائی کرنے کی کوشش کی تو پھر تم لوگ ایک عجیب و غریب مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔" وہ جلدی جلدی کہتا چلا گیا۔

"اس عجیب و غریب مصیبت کی بھی وضاحت کرتے چلو۔" بیگم جمشید



طنزیہ لہجے میں بولیں۔

"وہ مصیبت ایک ایسی مصیبت ہوگی کہ پھر تم کبھی کوئی مصیبت مول لینے کے قابل نہیں رہ جاؤ گے۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"بس یا اور کچھ۔"

"بس میں یہی کہنے آیا تھا اور اب میں چلوں گا۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"جانے سے پہلے میرا جواب بھی تو سنتے جاؤ۔ ہم اپنے مہمان کی ہر ممکن مدد کریں گے۔ اس قسم کی گیدڑ بھبکیوں میں ہم کبھی آئے ہیں نہ آئیں گے۔ سمجھے تم۔ اور اب چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

"بہت اچھا، انجام تو تم لوگ دیکھ ہی لو گے۔" اس نے غرا کر کہا، پھر تیزی سے مڑا اور اس کا ہاتھ بجلی کی سی سرعت سے حرکت میں آیا۔ بیگم جمشید سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ دھمکیاں دینے والا شخص ہاتھ بھی چھوڑ بیٹھے گا۔ پستول اس کے ہاتھ پر لگا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے، وہ تیورا کر گریں اور بے ہوش ہو گئیں۔

انسپکٹر جمشید آندھی اور طوفان کی طرح چلتے سنسان کھوڑی کوٹھی

تک پہنچے، پھر انہوں نے جیپ سے اتر کر گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ جلد ہی ایک ملازم زرد چہرہ لیے آتا نظر آیا۔ اس نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا:

"کیا آپ انسپکٹر جمشید ہیں؟"

"آپ کا خیال درست ہے۔"

"اندر تشریف لے چلیے، صاحب آپ ہی کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"شکریہ۔" انہوں نے کہا اور اس کے ساتھ اندر پہنچے۔ مستان کھوٹو اپنے کمرے میں بستر میں گھسے ہوئے تھے اور گھر کے باقی سب افراد ان کے گرد بیٹھے تھے۔ ایک پولیس انسپکٹر اور چند کانسٹیبل بھی کمرے میں موجود تھے۔ مستان کھوٹو کی آنکھیں بند اور چہرہ ہلدی کی مانند زرد نظر آ رہا تھا۔

"السلام علیکم۔" انسپکٹر جمشید کی آواز سن کر انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔

"اوہ، آپ آ گئے۔ خدا کا شکر ہے۔" مستان کھوٹو نے سکھ کا سانس لیا، پھر بولے:

"میری زندگی خطرے میں ہے۔ وہ مجھے جان سے مار ڈالنا چاہتا ہے۔"

"وہ کون؟" انہوں نے پوچھا۔ اس وقت تک گھر کے ایک فرد نے ان کے لیے کرسی بستر کے قریب رکھ دی تھی اور وہ اس پر بیٹھ گئے تھے۔



"میں نہیں جانتا، وہ کون ہے۔ وہ مجھے کیوں مارنا چاہتا ہے، مجھے کچھ بھی تو معلوم نہیں۔" انہوں نے تھرتھر کانپتی آواز میں کہا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ کوئی شخص آپ کو جان سے مار ڈالنا چاہتا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"مجھے آج سے تین دن پہلے ایک خط ملا تھا۔ اس کے دوسرے دن پھر ایک خط ملا اور آج تیسرا خط ملا ہے۔ پہلا خط ملنے پر میں نے خیال کیا تھا کہ کوئی شخص مجھ سے مذاق کرنا چاہتا ہے؛ چنانچہ میں نے اس خط کی طرف کوئی توجہ نہیں دی، دوسرا خط ملنے پر میں نے پولیس کو اطلاع دینا ضروری خیال کیا۔ پولیس انسپکٹر صاحب میرا فون ملتے ہی آ گئے۔ انہوں نے دونوں خط پڑھے اور فکرمند ہو گئے، پھر اس تمام رات کوٹھی کے گرد پہرا رہا۔ آج صبح پھر ایک خط موصول ہوا۔ اس خط نے میرے ہوش اڑا دیے اور مجھے اور تو کچھ نہ سوجھا، بس آپ کو فون کر دیا۔" یہاں تک کہہ کر مستان کھوٹو خاموش ہو گئے۔

"ہوں، ذرا مجھے وہ تینوں خط دکھائیے۔"

"جی بہتر۔" یہ کہہ کر انہوں نے تکیے کے نیچے سے خط نکال کر دے دیے۔ انہوں نے انہیں کھولا، پہلے خط میں لکھا تھا:

"مسٹر مستان کھوٹو، تمہاری زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں۔ میں عنقریب تم تک پہنچ کر تمہاری زندگی کا چراغ بجھا دوں گا۔"

خط کے نیچے کسی کے دستخط نہیں تھے۔ نہ ہی خط پر کوئی تاریخ تھی

بھیجنے والے نے اپنا نام اور پتا نہیں لکھا تھا۔ انھوں نے دوسرا خط کھولا، اس میں لکھا تھا:

"میرے کل والے خط کا آپ نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ شاید تم اسے مذاق سمجھے ہو، لیکن پتا تو تمہیں اس وقت چلے گا، جب میں تمہاری موت بن کر تمہارے سر پر پہنچ جاؤں گا، اس وقت تم اپنی غفلت پر پچھتاؤ گے، لیکن اس وقت پچھتانے سے بھی کچھ نہیں ہوگا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ تمہاری زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ تم ان میں اضافہ نہیں کر سکو گے۔"

اس خط کے نیچے بھی کسی کے دستخط یا نام نہیں تھا، پھر انھوں نے تیسرا خط کھولا، اس میں لکھا تھا:

"بہت خوب، تو تم نے میرے خط کو اہمیت دے ہی ڈالی اور پولیس کی مدد حاصل کر ہی لی، لیکن پولیس تمہیں میرے ہاتھوں سے نہیں بچا سکے گی۔ میں تم سے انتقام لے کر رہوں گا۔ اتنا عرصہ خاموش اس لیے رہا کہ میں بہت کمزور تھا، غریب تھا، تم سے انتقام لینے کی طاقت اور ہمت اپنے میں نہیں پاتا تھا، لیکن اب حالات بدل چکے ہیں۔ ارے ہاں، تم سوچ رہے ہو گے، میں کون ہوں، کس بات کا انتقام لینا چاہتا ہوں، خود ہی سوچو، غور کرو، تمہیں اپنا ظلم یاد آ جائے گا۔"

تیسرا خط پڑھنے کے بعد انھوں نے سب پر ایک نظر ڈالی، پھر بولے:



"ہوں، معاملہ واقعی بہت سنگین ہے۔ تینوں خط ایک ہی ہاتھ سے لکھے گئے ہیں۔ اگر احتیاط کی جاتی تو اس پر سے انگلیوں کے نشان بھی مل سکتے تھے، لیکن خط لکھنے والے کی تحریر تو ہمارے پاس ہے ہی۔ جہاں تک میرا خیال ہے، تحریر بگاڑ کر خط نہیں لکھے گئے۔ بگڑی ہوئی تحریر صاف نظر آ جاتی ہے۔ تینوں خط روانی کے عالم میں لکھے گئے ہیں۔ رکے بغیر، اٹکے بغیر۔ اگر تحریر کو بگاڑ کر لکھنے کی کوشش کی گئی ہوتی، تو الفاظ میں اس قدر یکسانیت نہ ہوتی۔ اس نے یہ نہیں لکھا کہ وہ کب تک حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ خیر، ہم حفاظتی انتظامات کیے دیتے ہیں۔ بہتر ہو گا کہ گھر کے تمام دروازے اور کھڑکیاں بند رکھی جائیں۔ کسی کی آمد پر پورا اطمینان کیے بغیر دروازہ نہ کھولا جائے، جس طرح اس وقت ملازم نے دروازہ کھول دیا تھا۔ یہ غلط ہے، میری بجائے دشمن بھی تو آ کر دستک دے سکتا ہے۔ آپ خود کو اس کمرے میں بند کر لیں۔ ہم بھی اس کمرے سے باہر رہیں گے اور پوری طرح چاروں طرف نظر رکھیں گے۔"

"تو آپ یہیں رہیں گے۔" مسٹر کھوٹو نے خوش ہو کر کہا۔

"میں شاید تمام وقت تو یہاں نہ رہ سکوں۔ ہاں کچھ وقت یہاں ضرور گزاروں گا۔ دراصل میرے ہاں ایک مہمان آنے والے ہیں، ان کے ساتھ بھی کچھ وقت بیتنا چاہیے، ورنہ میں رات یہیں گزار دیتا۔" انھوں نے کہا۔

"لیکن مہمان سے تو آپ صبح بھی مل سکتے ہیں۔" کھوٹو صاحب نے پریشان ہو کر کہا۔

"وہ میرے ایک بہت ہی گہرے دوست کے دوست ہیں۔ پہلی مرتبہ ہمارے ملک آ رہے ہیں۔ آپ کا فون ملنے سے پہلے میں، بچوں کے ساتھ میں ایئر پورٹ جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ فون ملنے کے بعد وہاں جانے کی بجائے ادھر آ گیا اور بچوں کو ادھر بھیج دیا۔ اب میں ان سے صرف ملنا چاہتا ہوں۔ جلد واپس آ جاؤں گا۔"

"اچھا، جیسے آپ کی مرضی۔" کھوٹو صاحب بولے۔

"ویسے میں اپنے اسسٹنٹ کو بھی فون کیے دیتا ہوں۔ وہ اپنے کچھ ماتحتوں کے ساتھ یہاں پہنچ جائے گا۔ ادھر انسپکٹر صاحب اور ان کے ماتحت بھی یہاں موجود رہیں گے۔ ارے ہاں، آپ نے یہ نہیں بتایا، یہ شخص کون ہو سکتا ہے اور کس بات کا انتقام لینا چاہتا ہے۔"

"میں نے ذہن پر بہت زور دیا، لیکن افسوس کچھ سمجھ میں نہیں آ سکا۔ میں نے اپنی زندگی کے تمام دن اور رات یاد کر لیے، لیکن کوئی لمحہ ایسا یاد نہیں آیا، جب میں نے کسی پر کوئی ظلم کیا ہو۔ یہی تو مجھے حیرت ہے کہ آخر وہ کون ہے اور میں نے اس پر کیا ظلم کیا ہے، اگر وہ یہ وضاحت کر دیتا تو شاید میں اس قدر پریشان نہ ہوتا۔"

"ہوں، خیر آپ یاد کرتے رہیے۔ شاید ذہن میں کوئی بات آ جائے۔ اس صورت میں ہم آپ کی زیادہ بہتر طور پر حفاظت کر سکیں گے۔"



انہوں نے کہا، پھر فون کے پاس گئے اور اکرام کو فون کیا۔ اسے ہدایات دے کر ریسیور رکھا اور کھوٹو صاحب کی طرف مڑے:

"تو پھر مجھے تھوڑی دیر کے لیے اجازت ہے نا۔"

"کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ اسسٹنٹ کے آنے تک آپ ٹھہر جائیں۔" کھوٹو صاحب بولے۔ آواز سے پریشانی ٹپک رہی تھی۔

"چلیے یوں ہی سہی۔" وہ دھیرے سے مسکرائے۔

آدھ گھنٹے بعد اکرام اپنے ماتحتوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ اسے ہدایات دینے کے بعد وہ اٹھے اور جانے کے لیے مڑے۔ عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔

وہ چونک اٹھے۔ مسٹر کھوٹو کا رنگ اڑ گیا۔ انہوں نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا:

"وہ ۔۔۔ وہ ۔۔۔ آ گیا۔"

# دشمن

"اگر ہم غلطی پر نہیں، تو آپ مسٹر اوبرائم ہیں۔" محمود نے اس کے سامنے پہنچتے ہوئے دل کش آواز میں کہا۔ جملہ اس نے انگریزی میں ادا کیا تھا، کیونکہ انسپکٹر جمشید انہیں بتا چکے تھے کہ مہمان صرف انگریزی زبان میں بات کر سکتا ہے۔

"اوہ یس، لیکن آپ کون ہیں؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ کے میزبان۔" فاروق مسکرایا۔

"میزبان، لیکن مسٹر توقیر بارانی نے تو بتایا تھا کہ ایک جوان آدمی کا مہمان ہوں گا۔" اس نے حیرت بھری آواز میں کہا۔

"انہوں نے غلط نہیں بتایا تھا۔ ہمارے والد کو اچانک ایک جگہ جانا پڑ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بجائے ہم آپ کے سامنے کھڑے ہیں۔" محمود نے جواب دیا۔

"اوہ، آپ کے ڈیڈی جہاں گئے ہیں، وہاں خیریت تو ہے نا؟" اس نے مسکرا کر کہا۔



"جی ہاں، آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ آیئے چلیں۔" محمود نے کہا۔

وہ ان کے ساتھ چل پڑا۔ سامان کی صورت میں اس کے پاس صرف ایک چھوٹا سا سوٹ کیس تھا اور بس۔ یہ سوٹ کیس اس وقت محمود کے ہاتھ میں تھا اور یہ کچھ خاص وزنی نہیں تھا۔ آخر وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ گھر کے سامنے پہنچ کر جوں ہی وہ ٹیکسی سے اترے، ان کی آنکھوں میں الجھن نظر آنے لگی۔ یہ چیز مہمان کی نظروں سے چھپی نہ رہ سکی۔

"کیا بات ہے، خیر تو ہے؟"

"کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے گھر کا دروازہ بند نہیں ہے۔" محمود نے کہا اور پھر مہمان سے پہلے ہی دوڑتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ فاروق اور فرزانہ نے بھی یہی کیا۔ ٹیکسی ڈرائیور بوکھلائے ہوئے انداز میں دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ اسے بل بھی ادا نہیں کر سکے تھے۔

انہوں نے دیکھا، صحن میں ان کی والدہ بے ہوش پڑی تھیں۔ تینوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ محمود نے ان کا سر اپنی گود میں لے لیا۔ فرزانہ پانی لینے کے لیے دوڑی۔ فاروق نے ان کے گال تھپتھپا ڈالے۔

"امی، آپ کو کیا ہو گیا ہے؟" محمود نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اسی وقت وہ چونک اٹھا:

"ارے، ان کے تو سر پر چوٹ آئی ہے۔ یہ دیکھو، خون رس

رہا ہے۔"

فاروق نے گھبرا کر اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا، وہ خون سے تر تھا۔ اسی وقت فرزانہ پانی کا گلاس لے کر آ گئی۔

"احتیاط سے فرزانہ، ان کا سر زخمی ہے۔" محمود جلدی سے بولا۔ اس وقت تک مہمان بھی اندر آ چکا تھا۔ اس نے بوکھلا کر کہا۔

"ارے، یہ کیا ہوا؟"

"جی، معلوم نہیں۔ ان کے ہوش میں آنے پر ہی معلوم ہو سکے گا۔ ویسے خیال ہے، کسی نے اندر داخل ہو کر انہیں زخمی کیا ہے۔" محمود بولا۔

"اوہ۔" ابرام کے منہ سے نکلا۔

ایک منٹ کی کوشش کے بعد بیگم جمشید نے آنکھیں کھول دیں۔ پھر ہڑبڑا کر اٹھنے کی کوشش کی۔ فرزانہ نے گھبرا کر کہا:

"اُٹھنے کی کوشش نہ کریں امی جان ــ آپ زخمی ہیں۔"

"کک، کیا مہمان آ چکے ہیں؟" وہ بولیں۔

"جی ہاں، یہ رہے۔" محمود بولا۔

بیگم جمشید نے اپنا سر مہمان کی طرف گھمایا، پھر بولیں:

"مجھے افسوس ہے، آپ کو یہاں پہنچتے ہی پریشانی اٹھانا پڑی۔"

"آپ میری فکر نہ کریں۔" ابرام نے کہا۔

آخر انہیں سہارا دے کر بستر تک لے جایا گیا ــ زخم پر پٹی باندھی



گئی۔ خطرے والی کوئی بات نہیں تھی۔ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا۔

"کیا خیال ہے امی جان، اس حادثے کی اطلاع ابا جان کو دی جائے؟"

"پہلے تم پوری بات سن لو ــ اس کے بعد اگر مناسب خیال کرو تو انہیں فون کر دینا۔" یہ کہہ کر انہوں نے اجنبی کے زبردستی اندر گھس آنے اور اس کی دھمکی کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔ حملہ آور کا حلیہ بھی بتایا۔

"تو وہ یہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے مہمان کے کسی کام نہ آ سکیں۔" محمود پریشان آواز میں بولا۔

"ہاں، اس نے تو یہی کہا تھا۔"

"حیرت ہے، بلکہ بہت ہی زیادہ حیرت ہے ــ کیوں جناب، کیا آپ اس سلسلے میں کچھ بتانا پسند کریں گے؟ آپ کے آنے سے پہلے ہی یہاں ہمیں کوئی دھمکی دینے آخر کس طرح پہنچ گیا ــ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ کی آمد کی اطلاع کچھ اور لوگوں کو بھی ہے، لیکن سوال تو یہ ہے کہ وہ کون لوگ ہیں اور انہیں آپ سے کیا دشمنی ہے؟" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"یہ سب کچھ میرے لیے بہت خوفناک ہے اور حیرت انگیز بھی ــ میں نے اپنی آمد کے بارے میں یہاں کسی کو بھی اطلاع نہیں دی۔ آپ کو بھی میرے اور انسپکٹر جمشید کے مشترکہ دوست یادانی کے

ذریعے اطلاع ملی ہے۔"

"خیر، ہم معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ یہ کس کا کیا دھرا ہے۔ آپ ذرا یہ بتائیے کہ آپ اس ملک میں کس لیے تشریف لائے ہیں اور آپ ہم سے کیا کام لینا چاہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہمارے ہاں آکر ٹھہرنے کی تجویز بارانی صاحب کی تھی یا خود آپ کی؟"

"میں تو آپ لوگوں کے بارے میں جانتا بھی نہیں تھا۔ میں نے جب مسٹر بارانی سے ذکر کیا کہ میں ان کے ملک میں کچھ دنوں کے لیے جا رہا ہوں تو انہوں نے خود یہ تجویز پیش کی کہ میں آپ کے ہاں ٹھہروں۔ مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ یہی نہیں، جب میں نے بارانی کے پوچھنے پر یہ بتایا کہ مجھے یہاں کام کیا ہے، تو انہوں نے فوراً کہا کہ اس کام کے سلسلے میں بھی انسپکٹر جمشید بہت مددگار ثابت ہوں گے۔" یہاں تک کہہ کر اوبرام خاموش ہو گیا۔

"ہوں، تو یہ بات ہے۔ آپ نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ آپ کو یہاں کام کیا ہے؟" فاروق نے بے چین ہو کر کہا۔

"کام کی نوعیت بھی کچھ کم عجیب نہیں۔ میں سمجھ نہیں سکتا کہ آپ لوگوں کو بتانا مناسب ہو گا یا نہیں، بارانی نے مجھے اگرچہ آپ لوگوں کے بارے میں بہت تفصیل سے بتایا ہے، لیکن میں اپنے کام کے بارے میں آپ لوگوں کے والد کو ہی بتانا پسند کروں گا۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ وہ بھی آتے ہی ہوں گے۔"



عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ محمود تیزی سے اٹھا اور فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ باقی اس کی طرف بغور دیکھنے لگے۔

○

"ضروری نہیں کہ یہ آپ کا دشمن ہی ہو۔ میں دیکھتا ہوں، آپ بے فکر رہیں۔ میرے ہوتے ہوئے کوئی آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔" یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئے اور بیرونی دروازے تک پہنچے۔ انہوں نے ملازم کو بھی دروازے کی طرف آنے سے روک دیا تھا۔ روش پر پہنچتے ہی انہیں باہر ایک کار کھڑی دکھائی دی۔ دوسرے ہی لمحے وہ چونک اٹھے۔ کار وزیرِ خارجہ صاحب کی تھی۔ وہ ابھی تک کار میں بیٹھے تھے۔ گھنٹی شاید ملازم نے بجائی تھی جو کار کے دروازے کے ساتھ اٹن شن کھڑا تھا۔

"اوہ، یہ آپ ہیں سر۔ خدا کا شکر ہے۔" انسپکٹر جمشید نزدیک پہنچتے ہوئے باادب انداز میں بولے۔

"خیر تو ہے جمشید۔" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"جی وہ، ہم یہ سمجھے تھے کہ حملہ آور آپہنچا ہے۔" انہوں نے دھیرے سے مسکرا کر کہا۔

"حملہ آور، کیسا حملہ آور؟"

"اندر تشریف لے آئیے، کیا آپ کو مسٹر کھوٹو نے کچھ نہیں بتایا؟"

"صرف اتنا کہ ان کی زندگی خطرے میں ہے اور یہ کہ وہ آپ کو فون کر چکے ہیں، یہ سن کر میں نے اطمینان کا سانس لیا اور خود بھی یہاں پہنچنے کی کوشش کی۔ مسٹر کھوٹو نے اگر پہلے مجھے فون کیا ہوتا تو میں خود آپ کو فون کر کے یہاں پہنچنے کی درخواست کرتا۔ کھوٹو میرا بہت ہی اچھا دوست ہے۔ ہاں تو معاملہ کیا ہے؟"

انہوں نے پھاٹک اندر سے بند کر لیا اور اندر کی طرف چلتے ہوئے انہیں تینوں خطوط کے بارے میں بتا دیا۔

"اور یہ لفافے آئے کس طرح؟" وزیرِ خارجہ نے پوچھا۔

"ڈاک کے ذریعے۔ ان پر ڈاکخانے کی مہریں لگی ہوئی ہیں۔"

"ہوں، معاملہ تو واقعی سنگین ہے۔ پھر آپ نے کیا سوچا ہے" انہوں نے کہا۔

"یا تو یہ واقعی سنگین معاملہ ہے، یا پھر کسی کی شرارت ہے۔ میں نے سب انسپکٹر اکرام کو فون کر کے یہاں بلا لیا ہے۔ وہ اور پولیس تمام رات یہاں موجود رہیں گے، آپ فکر نہ کریں۔"

"گڈ" انہوں نے مطمئن انداز میں کہا، پھر چونک کر بولے:

"اور آپ۔ میرا مطلب ہے، کیا آپ یہاں نہیں ٹھہریں گے؟"

"جی ہاں، میں بھی رات یہاں گزاروں گا، لیکن شاید تھوڑی دیر کے لیے مجھے گھر جانا پڑے۔ وہ اس لیے کہ میرے ہاں آج کچھ



غیر ملکی مہمان آنے والے ہیں، بلکہ اس وقت تک تو وہ آ بھی چکے ہوں گے۔"

"ہوں، ٹھیک ہے۔ کچھ وقت میں بھی یہیں گزاروں گا۔" انہوں نے کہا، پھر دونوں منان کھوٹو کے کمرے میں داخل ہوئے۔ انہیں دیکھ کر منان کھوٹو کے چہرے پر رونق دوڑ گئی۔

"خدا کا شکر ہے کہ آپ بھی آ گئے۔ اب مجھے کوئی فکر نہیں۔"

"فکر تو آپ کو صرف انسپکٹر جمشید کے یہاں پہنچ جانے کی صورت میں بھی نہیں کرنا چاہیے تھی۔" وزیرِ خارجہ مسکرائے۔

"دیکھیے جناب، اگر آپ اس معاملے سے فوری طور پر نجات پا لینا چاہتے ہیں تو اس صورت میں آپ کو جلد از جلد یہ یاد کرنا ہوگا کہ آپ سے کس شخص کی دشمنی ہے۔ انجانے میں آپ نے کسی کے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کی، اسی صورت میں ہم آپ کے لیے کچھ کر سکیں گے، ورنہ یہ سلسلہ طول پکڑ سکتا ہے۔ آپ کا دشمن جب بھی دیکھے گا کہ یہاں آپ کی حفاظت کا خاطر خواہ انتظام ہے تو وہ کسی اور رخ سے حملہ کرنے کا پروگرام بنائے گا اور اس طرح خدشہ ہے کہ کہیں آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"اُف خدا، آپ تو مجھے ڈرائے دے رہے ہیں۔" منان کھوٹو کانپ کر بولے۔

"جمشید بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں کھوٹو۔ بہترین ترکیب یہی ہے کہ آپ کی سمجھ میں آپ کا دشمن آ جائے اور یہ اسے جا کر گرفتار کر لیں۔ اس طرح سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔" وزیر خارجہ ایک کرسی سنبھالتے ہوئے بولے۔

"میں کیا کروں، ذہن پر بہت زور دے چکا ہوں اور مسلسل سوچ میں غرق ہوں۔ ارے، کہیں یہ وہی تو نہیں؟" منان کھوٹو زور سے چونکے۔

"کون؟" انسپکٹر جمشید بے چین ہو کر بولے۔

"اف خدا، اب میں سمجھ گیا، ضرور میرا دشمن وہی ہے۔" منان کھوٹو کی آواز میں لرزش شامل ہو گئی۔

"جلدی بتائیے، وہ کون ہے اور اسے آپ سے کیا دشمنی ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بج اٹھی۔ انداز اکرام کا تھا۔ ساتھ ہی فون کی گھنٹی بجی۔



# سر جبار

"ہیلو، تو مہمان تمہارے گھر تک پہنچ چکا ہے۔ تم لوگوں نے اپنی ماں کا حشر تو دیکھ ہی لیا ہے۔ اب اگر تم نے اپنے مہمان کے معاملے میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کی تو تم سب کا حشر اس سے بھی برا ہو گا۔ بس یہی بتانے کے لیے میں نے تمہیں فون کیا تھا۔"

جوں ہی محمود نے فون کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ یہ الفاظ اس کے کان سے ٹکرائے، وہ جھنا اٹھا اور تقریباً چیخ کر بولا:

"سامنے آ کر بات کرتے تو بات بھی تھی۔ کان کھول کر سن لو، اب ہم اس معاملے میں ٹانگ ہی نہیں، ہاتھ بھی اڑائیں گے۔ سمجھے تم۔"

"اچھی طرح سمجھ گیا۔ میں ہر موڑ پر تمہیں موجود ملوں گا اور تمہارے راستے کا پتھر ثابت ہوں گا۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا گیا۔

محمود نے بھی ریسیور پٹخا اور انہیں فون کے بارے میں بتایا۔

"اس نے کیا الفاظ ادا کیے تھے؟" فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"بتا تو چکا ہوں۔" محمود نے منہ بنایا۔

"بالکل وہی الفاظ دہراؤ، جو اس نے فون پر کہے ہیں۔" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"کیوں، آخر تم لفظ بہ لفظ وہ الفاظ کیوں سننا چاہتی ہو؟" فاروق نے اسے گھورا۔

"اس نے یہ کیوں کہا کہ ہم نے اپنی ماں کا حشر تو دیکھ ہی لیا ہوگا۔ فون ابا جان بھی تو سن سکتے تھے، آخر اسے یہ بات کس طرح معلوم ہے کہ اس وقت گھر میں ابا جان نہیں ہیں۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"بھئی، یہ تو سامنے کی بات ہے۔ ہمارے جانے کے بعد وہ زبردستی گھر میں داخل ہوا تھا۔ اس نے ابا جان کو اور ہمیں گھر سے الگ الگ جاتے دیکھا تھا، پھر اس نے امی جان کو زخمی کیا۔ اس کے بعد وہ باہر نکل گیا، لیکن رہا ہوگا کہیں آس پاس ہی۔ اس نے ہمیں واپس آتے تو دیکھ لیا، لیکن ابا جان کو نہیں دیکھا، لہذا فون پر اس نے یہ الفاظ ادا کیے۔" محمود نے وضاحت کی۔

"ہوں ٹھیک ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اب بھی آس پاس ہی کہیں موجود ہے؛ گویا ہماری مسلسل نگرانی کر رہا ہے اور اگر ہم اس وقت گھر سے نکل کر کسی طرف جائیں تو وہ ہمارا تعاقب



کرے گا۔ کیا خیال ہے؟" فرزانہ نے سوچ میں گم لہجے میں کہا۔

"بالکل ٹھیک خیال ہے۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

"گویا تم بھی یہی چاہتے ہو کہ ہم گھر سے نکل کھڑے ہوں۔" محمود نے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں، اس لیے کہ میں اس شخص کو آزادانہ گھومتے پھرتے نہیں دیکھ سکتا، جس نے امی جان کو زخمی کیا ہے۔" فاروق نے تیز لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے، ہم تینوں گھر سے ضرور نکلیں گے، لیکن اس سے پہلے ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ ہمارے مہمان ہم سے کیا کام لینا چاہتے ہیں۔" محمود فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

"اور میں یہ کہہ چکا ہوں کہ میں نہیں جانتا، مجھے آپ لوگوں کو ساری بات بتا دینی چاہیے یا نہیں، کیونکہ میں تو ساری بات آپ کے والد کو بتانے کا پروگرام بنائے بیٹھا ہوں۔"

"ان حالات میں آپ کو ہمیں ہی بتا دینا چاہیے۔ پتا نہیں ابا جان کس وقت لوٹتے ہیں۔ آپ کا دشمن آس پاس کہیں موجود ہے۔ اس وقت ہم اسے دیکھ سکتے ہیں اور تعاقب کر کے اس کا ٹھکانا معلوم کر سکتے ہیں۔"

"پھر بھی میں الجھن محسوس کر رہا ہوں۔ کیوں نہ آپ کے والد سے فون پر بات کر لی جائے کہ وہ آرہے ہیں یا نہیں۔ اگر انہوں

نے مشورہ دیا تو میں آپ کو بتا دوں گا۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے
کہا۔

"چلیے یوں ہی سہی۔" محمود مسکرایا۔ پھر اس نے ڈائریکٹری میں
مستان کھوکھو کے نمبر دیکھ کر ڈائل کیے۔ دوسری طرف سے ایک ڈھیلی
ڈھالی سی آواز سنائی دی:

"ہیلو، یہ مستان کھوکھو صاحب کی کوٹھی ہے۔ آپ کون صاحب
ہیں اور کس سے بات کرنا چاہتے ہیں؟"

"یہاں انسپکٹر جمشید موجود ہوں گے۔ میں ان کا بیٹا محمود
بول رہا ہوں، مہربانی فرما کر فون کا ریسیور انہیں دے دیجیے۔"

"جی ہاں، وہ یہاں موجود ہیں۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور
پھر جلد ہی انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی۔

"ہاں محمود، خیر تو ہے۔ مہمان گھر پہنچ گئے؟"

"جی ہاں، پہنچ گئے، لیکن حالات عجیب و غریب صورت اختیار کر
چکے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید کی چونکی ہوئی آواز اس کے
کانوں سے ٹکرائی اور اس نے تفصیل سنا دی۔

"اوہ۔" انسپکٹر جمشید کی فکر میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

"اب آپ کا کیا مشورہ ہے۔ کیا ہم مہمان کی کہانی سن لیں؟"

"ہاں ضرور، اور اس کے بعد تم گھر سے نکل کر یہ جائزہ بھی لے



سکتے ہو کہ کوئی تمہارا تعاقب کرتا ہے یا نہیں۔"

"اس کا مطلب ہے، آپ کے جلد آنے کا امکان نہیں۔"

"یہی بات ہے، یہاں بھی حالات ذرا سنگین ہیں۔" انہوں نے
کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ محمود نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا:

"لیجیے جناب، انہوں نے اجازت دے دی ہے۔"

"بہت خوب، تو پھر سنیے۔ آپ کے ملک سے ایک صاحب
ہمارے ملک آئے تھے۔ یہ آج سے تقریباً دو سال پہلے کی بات ہے،
وہ ہوٹل میں مجھ سے ٹکرا گئے۔ بہت پریشان تھے۔ میں نے پریشانی
کی وجہ کیا معلوم کی، رونے لگے۔ آخر بتایا، ذریعۂ معاش کی تلاش
میں یہاں آئے تھے۔ کوئی کام نہیں بنا اور نقدی تیزی سے ختم ہوتی
جا رہی ہے۔ میں ایک رحم دل آدمی واقع ہوا ہوں۔ یہی حالات
آپ کے والد کے دوست بارانی کو پیش آئے تھے، تو میں نے ان
کی بھی مدد کی تھی اور اب وہ ایک اچھی پوسٹ پر ملازم ہیں۔ اسی
طرح میں نے ان کی مدد کی۔ نہ صرف مدد کی، بلکہ انہیں رہنے کے
لیے جگہ بھی دی۔ اپنے مکان کا ہی ایک کمرہ دے دیا۔ میں یوں بھی
دنیا میں بالکل اکیلا ہوں۔ مکان میرے پاس وہاں کافی بڑا ہے۔ ان
صاحب نے تقریباً ڈیڑھ سال ملازمت کی، پیسے جمع کیے اور پھر ایک دن
اچانک غائب ہو گئے۔ ادارے کا ڈائریکٹر میرا بہت اچھا دوست ہے۔
اس نے میری سفارش پر ہی انہیں ملازمت دی تھی۔ ان کے اچانک

غائب ہونے کی اطلاع بھی اس نے مجھے دی — اس سے پہلے بھی وہ ایک دو دن سے غائب ہو جاتے رہے تھے۔ پوچھنے پر یہی بتایا کرتے تھے کہ گھومنے پھرنے نکل گیا تھا — اس مرتبہ انہیں چار پانچ دن ہوگئے، اس لیے فکر ہوا — جب وہ ایک ہفتہ تک بھی واپس نہ لوٹے تو مجھے دال میں کالا نظر آیا اور جب میں نے اپنے گھر کا جائزہ لیا تو اپنا سر پیٹ لیا — میرے گھر کی کئی قیمتی چیزیں غائب تھیں۔ کچھ نقدی بھی غائب تھی، لیکن مجھے ان قیمتی چیزوں اور نقدی کا قطعاً کوئی غم نہیں ہوا؛ البتہ یہ دیکھ کر مجھے زبردست دھکا لگا کہ میری سب سے قیمتی چیز بھی غائب تھی —" یہاں تک کہہ کر مسٹر ابراہیم خاموش ہوگئے۔

"اور وہ کیا چیز تھی؟" فرزانہ نے بے تابانہ کہا۔

"ایک مورتی، سنگِ مرمر کی مورتی۔"

"سنگِ مرمر کی مورتی، لیکن ایک مورتی اس قدر قیمتی کس طرح ہو سکتی ہے۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"وہ کوئی عام مورتی نہیں ہے — ایک تاریخی مورتی ہے۔ حضرت مریم کی مورتی دنیا میں آج تک اس سے خوب صورت مورتی نہ بنی ہے، نہ بن سکے گی۔ میں نے اسے ایک کروڑ ڈالر دے کر خریدا تھا بے شمار دولت مند اسے خریدنے کے خواہش مند تھے اور اس کی باقاعدہ نیلامی ہوئی تھی۔"



"اوہ" ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"اور وہ احسان فراموش آدمی میری اتنی قیمتی مورتی لے اُڑا۔"

"لیکن آپ کو فوراً پتا کیوں نہیں چلا۔" فرزانہ نے سوال کیا۔

"اس لیے کہ مورتی میرے عجائب گھر میں ایک شیشے کے شوکیس میں محفوظ تھی۔ شوکیس پر تالا لگا ہوا تھا — اسے گھر میں رہتے ہوئے کافی عرصہ ہو گیا تھا اور پھر میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ مورتی بھی چرا سکتا ہے، لہذا کبھی اس پر شک نہیں کیا۔ بس میری غیر حاضری میں اس نے مورتی نکالی، کچھ اور قیمتی نوادرات بھی نکالے — تجوری میں سے نقدی اڑائی اور غائب ہو گیا — عجائب گھر کا جائزہ میں روز تو لیتا نہیں، لہذا فوراً پتا نہیں چل سکا۔"

"اوہ، یہ تو واقعی بہت بُرا ہوا ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"لیکن سب سے زیادہ حیران کن ترین بات یہ ہے کہ اس نے تالے کس طرح کھول لیے؟" محمود نے کہا۔

"میں خود حیران ہوں — چابیوں کا گچھا ہر وقت میرے پرس میں موجود رہتا ہے اور جس دن وہ غائب ہوا، اس دن بھی گچھا میرے پاس ہی موجود رہا تھا۔"

"تب وہ کوئی تالے کھولنے کا ماہر معلوم ہوتا ہے۔" فاروق نے خیال ظاہر کیا۔

"اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"اور اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ اسے آپ کی آمد کی خبر کس طرح ہو گئی؟" فاروق نے کہا اور وہ چونک اٹھے، کیونکہ یہ بات واقعی حیران کن ترین تھی۔

○

"دروازے پر میرا اسسٹنٹ ہے، ذرا جا کر اسے لے آئیے۔ میں فون سن لوں" انسپکٹر جمشید نے فون کا ریسیور ملازم کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔ وہ دروازے کی گھنٹی سن کر اٹھے تھے، لیکن فون کی گھنٹی کی آواز نے انہیں رکنے پر مجبور کر دیا تھا، پھر جب ملازم نے انہیں بتایا کہ فون انہی کا ہے تو انہوں نے پہلے فون سننا ضروری خیال کیا۔

"جی اچھا" ملازم نے کہا اور چلا گیا۔ وہ محمود سے باتیں کرتے رہے۔ ان کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہونے لگیں۔ اور جب انہوں نے ریسیور رکھا تو وہ پوری طرح پریشان ہو چکے تھے۔

"خیر تو ہے جمشید، آپ فون سن کر پریشان ہو گئے؟" وزیر خارجہ جلدی سے بولے۔ وہ انہیں فون سنتے بغور دیکھتے رہے تھے۔

"جی کوئی خاص بات نہیں۔ میرے ہاں جو مہمان آیا ہے، اُسے بھی مجھ سے کوئی ضروری کام ہے، لیکن یہاں کا کام بھی کم ضروری نہیں،



لہذا میں فی الحال یہیں ٹھہروں گا۔ ہاں تو کھوٹو صاحب، آپ کو یاد آ چکا ہے کہ آپ کا دشمن کون ہے"

"کم از کم میں اندازہ لگانے میں ضرور کامیاب ہو گیا ہوں، لیکن ہو سکتا ہے، میرا اندازہ بالکل غلط ہو۔ میں اون کے ایک بہت بڑے کارخانے کا مالک ہوں۔ اس وقت ملک میں میرے کارخانے کی اون کی بہت مانگ ہے۔ میرے مقابلے میں پورے ملک میں اس وقت صرف ایک آدمی ہے اور وہ ہے سر جبار۔ اس کا بھی اون کا بہت بڑا کارخانہ ہے، بلکہ مجھ سے بھی بڑا۔ اس کی اون کی مانگ بھی بہت زیادہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں اگر ہم میں سے ایک کا کاروبار ختم ہو جاتے تو پھر پورے ملک میں دوسرا اس تجارت کا بادشاہ بن جائے گا۔ سر جبار کئی مرتبہ مجھ سے میرا کاروبار خریدنے کی کوشش کر چکا ہے، لیکن میں نے ہر بار انکار کر دیا۔ ہو سکتا ہے، اس نے تنگ آ کر یہ سوچا کہ کیوں نہ مجھے ٹھکانے ہی لگا دیا جائے تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ اور ایسا کرنے سے پہلے اس نے ایک گمنام آدمی کی حیثیت سے انتقام لینے کے دھمکی آمیز خطوط مجھے لکھے ہوں، تاکہ میری موت کے بعد کوئی اس پر شک نہ کر سکے، انگلی نہ اٹھا سکے"

"اوہ، لیکن سر جبار تو بہت بڑا آدمی ہے کھوٹو صاحب" وزیر خارجہ بولے۔

"تو کیا ہوا جناب عالی، بڑے آدمی ہی تو چھوٹی حرکات کیا کرتے ہیں" انہوں نے کہا۔

"ہوں، یہ بھی ٹھیک ہے۔ خیر، ہم سر جبار کو ضرور چیک کریں گے؛ تاہم آپ ذہن پر ابھی اور زور دیں۔ ہو سکتا ہے، یہ خطوط کسی اور شخص نے لکھے ہوں" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ضرور کیوں نہیں۔ میں برابر غور کر رہا ہوں"

اب وہ اکرام کی طرف مڑے جو ابھی ابھی اندر آ کر ایک کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ اپنے ماتحتوں کو وہ باہر ہی چھوڑ آیا تھا۔

"اکرام صورتِ حال یہ ہے کہ مسٹر کھوٹو صاحب کو کوئی شخص جان سے مار ڈالنا چاہتا ہے۔ مجھے اس سلسلے میں تفتیش کے لیے یہاں سے باہر بھی جانا ہو گا، لہذا میں نے تمہیں بلایا ہے، تاکہ کھوٹو صاحب کی حفاظت کی جا سکے"

"آپ فکر نہ کریں سر" اکرام نے فوراً کہا۔

"کھوٹو صاحب، اب اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں سر جبار سے مل آؤں"

"بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے، اگر آپ کو اطمینان ہے" انہوں نے کہا۔

انسپکٹر جمشید اکرام کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آئے اور دبی آواز میں بولے:



"کھوٹو صاحب وزیر خارجہ کے گہرے دوست ہیں۔ دوست نہ بھی ہوتے تو بھی ان کی حفاظت کرنا پڑتی۔ دھمکی آمیز خطوط سے واقعی انتقام کی بو آ رہی ہے، لہذا یہ کسی شخص کا مذاق نہیں ہو سکتا؛ چنانچہ پوری طرح چوکس رہو۔ میں سر جبار سے بات چیت کر کے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کروں گا کہ یہ کام ان کا ہے یا نہیں۔ تم یہاں پوری طرح ہوشیار رہنا"

"جی بہتر۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نظر نہیں آ رہے۔ کہیں انہیں غیر ملکی مہمان تو زیادہ پسند نہیں آ گیا"

"یہ بات نہیں۔ مہمان کو لینے کے لیے وہی گئے تھے، مجھے تو ادھر آنا پڑ گیا تھا۔ ادھر بھی کچھ گڑبڑ ہے۔ مہمان کی آمد سے پہلے ہی ہمیں دھمکی دی گئی تھی کہ ہم مہمان کے کسی معاملے میں ہاتھ نہ ڈالیں۔ میں نے ان تینوں کو ہدایات دے دی ہیں کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ میں چاہتا ہوں، سر جبار سے ملنے کے بعد گھر کا بھی ایک چکر لگا ہی آؤں"

"ضرور لگا آئیے گا۔ یہاں کا معاملہ میں سنبھال لوں گا"

آخر وہ باہر نکلے اور سر جبار کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔ پتا انہوں نے فون کر کے معلوم کر لیا تھا۔ کوٹھی کے سامنے پہنچ کر وہ جیپ سے اترے۔ یہ ایک محل نما کوٹھی تھی۔ ایک دروازے کے میں خستہ حال سے لوگوں کی ایک لائن لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے گھنٹی کا بٹن دبایا تو تقریباً ایک منٹ بعد ایک ملازم ان کی طرف آتا نظر آیا۔

"جی فرمائیے!" اس نے با ادب لہجے میں کہا۔

"مجھے سر جبار سے ملنا ہے!" انہوں نے کہا۔

"کیا آپ نے ملاقات کے لیے وقت لے رکھا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں، آپ میرا کارڈ ان تک پہنچا دیں!"

"اگرچہ مجھے امید نہیں کہ وہ آپ سے ملیں گے، پھر بھی میں کارڈ پہنچائے دیتا ہوں، کیونکہ وہ صرف انہی ملاقاتیوں سے ملنا پسند کرتے ہیں، جنہوں نے ملاقات کے لیے وقت طے کر رکھا ہو؛ تاہم انہوں نے مجھے کارڈ ان تک پہنچانے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اس طرح ملاقاتی کو کم از کم ملاقات کا وقت تو دے ہی دیا جاتا ہے!"

"شکریہ!" انہوں نے کہا اور کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ کارڈ لے کر اندر چلا گیا، پھر آدھ منٹ بعد ہی اس کی واپسی ہوئی۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار طاری تھے۔ جلدی سے بولا:

"معاف کیجیے گا جناب، مجھے نہیں معلوم تھا، آپ کون ہیں، صاحب آپ سے ملاقات کرنا فخر کی بات سمجھتے ہیں۔ انہوں نے مجھے ڈانٹ بھی پلائی ہے!"

"کوئی بات نہیں!" یہ کہہ کر وہ اندر داخل ہوئے، پھر لوگوں کی لائن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ملازم سے پوچھا:

"بھئی یہ لائن کیسی لگی ہے؟"



"ہر روز صبح شام یہاں سے غریب لوگوں کو کھانا ملتا ہے۔ ہمارے صاحب نے لنگر جاری کر رکھا ہے!"

"اوہ، تب تو تمہارے صاحب بہت اچھے آدمی ہیں!" وہ بولے۔

"بہت اچھے سے بھی بہت زیادہ!" اس نے کہا۔

ایک لمبا برآمدہ عبور کرنے کے بعد وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔

"تشریف رکھیے جناب، صاحب ابھی آتے ہیں!"

اندر شاہانہ صوفے بچھے تھے۔ ماحول ایسا تھا کہ آدمی کو نیند آنے لگے۔ ملازم ان کے بیٹھنے کے بعد چلا گیا، پھر مشروب کی ٹرے لے کر اندر آیا اور بولا:

"نوش فرمائیے!"

"شکریہ!" انہوں نے کہا اور ٹرے میں سے گلاس اٹھا لیا۔ ملازم ایک بار پھر باہر چلا گیا۔ انسپکٹر جمشید کو عجیب سا احساس ہو رہا تھا، جیسے انہیں کوئی چھپ کر دیکھ رہا ہو۔ آخر تقریباً پانچ منٹ کے تکلیف دہ انتظار کے بعد انہوں نے قدموں کی آواز سنی۔ سر اوپر اٹھایا تو سر جبار کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔ ان کی [illegible] وہ اکثر اخبارات میں دیکھ چکے تھے۔

"السلام علیکم انسپکٹر صاحب!" انہوں نے شگفتہ آواز میں کہا۔

"وعلیکم السلام جناب!" انہوں نے اٹھ کر ان سے ہاتھ ملایا۔

"معافی چاہتا ہوں، آپ کو انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی — دراصل میری طبیعت ذرا خراب ہے ان دنوں، لیٹا ہوا تھا۔"

"پھر تو معافی مجھے مانگنا چاہیے۔ زحمت تو آپ کو میں نے دی۔"

"نہیں، کوئی بات نہیں۔" وہ مسکرائے۔

"آپ متان کھوٹو صاحب کو تو اچھی طرح جانتے ہوں گے؟" انسپکٹر جمشید نے ان کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

متان کھوٹو کا نام سنتے ہی سر جبار کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی — پھر انہوں نے اپنے تاثرات چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا —

"جی ہاں، اچھی طرح جانتا ہوں — وہ خیریت سے تو ہیں۔"

"ہاں، لیکن انہیں تین دھمکی آمیز خطوط ملے ہیں۔ کسی نامعلوم شخص نے انہیں دھمکی دی ہے کہ وہ انہیں جان سے مار دے گا۔"

"اوہ۔" سر جبار کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"ٹھہریے، میں تینوں خط ہی آپ کو سنا دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے جیب سے خطوط نکالے اور انہیں پڑھ کر سنانے لگے۔ آخر خاموش ہو گئے — ان کے خاموش ہونے پر سر جبار نے لب کھولے:

"معاملہ واقعی بہت سنگین ہے۔ مجھے کھوٹو سے ہمدردی ہے۔"



"آپ کا ان خطوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"میں نہیں سمجھا، آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

"آپ کے خیال میں یہ خط کس نے لکھے ہوں گے؟"

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"لیکن ......" انسپکٹر جمشید لیکن کہنے کے بعد چند سیکنڈ کے لیے رک گئے، پھر بولے: "متان کھوٹو صاحب کا خیال ہے کہ یہ خطوط آپ نے انہیں لکھے ہیں۔"

"کیا؟" سر جبار تقریباً چلا اٹھے۔

# کام کا خیال

"ادبرام صاحب' آپ نے اپنی آمد کے بارے میں کس کس شخص کو بتایا تھا؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"جی، کسی کو بھی نہیں۔ بس بارانی نے آپ لوگوں کو لکھا تھا۔"

"حیرت ہے' پھر اس شخص کو کس طرح خبر ہوگئی۔ خیر یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ہمیں دھمکی دینے والا شخص وہی ہے' جس نے آپ کی مورتی اور دوسری چیزیں چرائی ہیں۔ مہربانی فرما کر اس شخص کا نام اور حلیہ بتائیے' جسے آپ نے ملازمت دلوائی اور اپنے ساتھ رکھا' تاکہ ہم باہر نکلنے سے پہلے اس کے بارے میں سب کچھ جان چکے ہوں۔"

"جی ہاں' کیوں نہیں۔ وہ ایک لمبے قد کا پتلا دبلا آدمی ہے۔ رنگ سیاہ، ناک لمبی' بال گھنے سیاہ، ہونٹ موٹے' چہرے پر باریک مونچھیں۔ اس کا نام جیکب ہے' لیکن وہ اپنے آپ کو جیک کہلانا پسند کرتا ہے۔ خاص بات یہ کہ اس کا منہ بہت بڑا ہے۔"



"ٹھہریے' ہم امی جان سے حملہ آور کا حلیہ معلوم کر آئیں۔"

یہ کہہ کر وہ تینوں کمرے میں داخل ہوئے۔ بیگم جمشید نیند کی حالت میں تھیں۔ ان کے قدموں کی آہٹ سن کر چونک اٹھیں۔

"امی جان' آپ حملہ آور کا حلیہ بتا سکتی ہیں؟"

"ہاں' کیوں نہیں۔ بشرطیکہ وہ میک اپ میں نہ رہا ہو۔" انہوں نے کہا۔

"وہ میک اپ میں تھا یا نہیں۔ آپ اس کا حلیہ بتا دیں۔" فاروق نے کہا۔

"وہ پتلا دبلا اور لمبا سا آدمی تھا۔ اس کا رنگ سانولا سا تھا۔ ناک لمبی اور درمیان سے ابھری ہوئی۔ ہونٹ بھدے' چہرہ ڈاڑھی اور مونچھوں سے بے نیاز تھا اور منہ بڑا۔" انہوں نے بتایا۔

"حلیہ تو جیکب کا ہی لگتا ہے۔"

"ارے تمہیں اس کا نام کس طرح معلوم ہوا۔" بیگم جمشید زور سے چونکیں۔

"مہمان سے ۔۔۔ لیکن آپ کو کس بات پر حیرت ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"اس نے اپنا نام جیکب ہی بتایا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ اس کے جاننے والے اسے جیک کہہ کر بلاتے ہیں۔"

"اوہ' تب تو حملہ آور وہی شخص تھا جسے مسٹر ادبرام نے ملازمت

دلائی تھی۔ اس کا مطلب ہے، وہ ایک چور ہے۔ ہو سکتا ہے، پہلے
بھی چوری کرتا رہا ہو۔ خیر آؤ، اگر ہمارے اندازے غلط نہیں ہیں
تو ضرور آس پاس کہیں موجود ہے۔ ہم اس موقع کو ضائع نہیں
کریں گے۔"

تینوں کمرے سے نکلے۔ مسٹر اوبرام ابھی تک اسی پوزیشن میں
بیٹھے تھے۔

"مسٹر اوبرام، ہم ذرا آپ کے دشمن کے بارے میں معلوم کرنے
جا رہے ہیں۔ امی جان زخمی ہیں، لہذا دروازہ اندر سے بند کرنے کی
تکلیف آپ کو ہی کرنا ہوگی۔"

"کوئی بات نہیں، تکلیف کیسی؟" مسٹر اوبرام نے ہنس کر کہا۔

اور ان کے گھر سے نکلنے کے ساتھ ہی اوبرام نے دروازہ اند
سے بند کر لیا۔

"کیا خیال ہے، ٹیکسی پکڑیں؟" محمود بولا۔

"اور کیا موٹر سائیکل پکڑیں گے ایسے میں؟" فاروق نے من
بنایا۔

"تو اس میں منہ بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے تو ایک
بات کہی ہے۔"

"تو میں کب کہتا ہوں کہ تم نے دو باتیں کہی ہیں۔" فاروق بو

"بس موقع ملا نہیں اور یہ حضرت شروع ہوئے نہیں۔" فر



بھنا اٹھی۔

"یہ بھی تو دیکھو، کتنی دیر بعد موقع ملا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"اچھا، بس خاموش رہو۔" فرزانہ جل بھن کر بولی۔

اسی وقت ایک خالی ٹیکسی ان کے پاس سے گزری اور
انہوں نے اسے رکنے کا اشارہ کر دیا۔ جلد ہی وہ ٹیکسی میں بیٹھے
ایک سمت میں چلے جا رہے تھے۔ ابھی تک انہوں نے ڈرائیور کو
یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ جانا کہاں ہے۔ جب دس پندرہ سیکنڈ گزر
گئے تو ڈرائیور سے رہا نہ گیا۔

"جانا کہاں ہے صاحب؟"

"بس چلتے رہو۔ ہاں، دنیا سے باہر نہ نکل جانا۔" فاروق مسکرایا۔

"جی، کیا مطلب؟"

"بھئی بات دراصل یہ ہے کہ ہمیں جانا وانا کہیں بھی نہیں،
بس ٹیکسی کی سیر کرنا ہے، لہذا جس طرف آپ کا دل چاہے، چلتے
رہیں۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"اچھی بات ہے، میں سمجھ گیا۔" ڈرائیور بولا۔

پانچ منٹ بعد ہی وہ یہ اندازہ لگا چکے تھے کہ ایک سرخ
رنگ کی چھوٹی سی کار برابر ان کے تعاقب میں چلی آ رہی تھی۔
اور اسے چلانے والے کا حلیہ اس حلیے سے مختلف نہیں تھا، جو
مسٹر اوبرام اور ان کی والدہ نے بتایا تھا۔

"ہاں بھئی، اب کیا پروگرام ہے؟" فرزانہ نے دبی آواز میں کہا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ ڈرائیور نہ سن سکے۔

"کیسا پروگرام؟" ڈرائیور نے چونک کر کہا۔

"میں نے آپ سے نہیں، اپنے بھائیوں سے کہا ہے۔ آپ چلتے رہیں۔" فرزانہ حیران ہو کر بولی۔ شاید اسے یہ جان کر حیرت ہوئی تھی کہ ٹیکسی ڈرائیور کے کان بھی اسی کی طرح تیز واقع ہوئے تھے۔

"اوہ اچھا۔"

"میرا خیال ہے، پروگرام نمبر دو مناسب رہے گا۔" محمود نے کہا۔

"بالکل ٹھیک۔ میں بھی یہی کہنے والا تھا۔"

ڈرائیور اب آئینے کے ذریعے انہیں گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔

"ڈرائیور صاحب، گاڑی سڑک کے کنارے کرتے ہوئے آہستہ کریں۔ ہم چاہتے ہیں، ہمارے پیچھے جو سرخ کار آ رہی ہے، آگے نکل جائے۔ دراصل اس میں ہمارے ایک مہربان بیٹھے ہیں اور ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ کہاں جاتے ہیں۔"

"چکر کیا ہے بھئی۔" ڈرائیور نے انہیں شک بھری نظروں سے دیکھا۔

"چکر وہی ہے، جو آپ کو بتا چکے ہیں۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"اچھی بات ہے۔" ٹیکسی ڈرائیور نے کہا اور ٹیکسی کنارے کی



طرف کرتے ہوئے آہستہ کرلی۔

سرخ کار پہلے تو آہستہ ہوتی نظر آئی، لیکن جب اس کے ڈرائیور نے دیکھا کہ اگلی کار بہت ہی آہستہ ہو گئی ہے تو اسے کار آگے لے جاتے ہی بن پڑی۔

"یہ ہوئی نا بات۔ ڈرائیور صاحب، اس سرخ کار کے پیچھے چلیے۔"

"جی بہتر۔ لیکن یہ سن لیں۔ اگر آپ لوگ کسی چکر میں ہیں تو میں آپ لوگوں کا ساتھ ہرگز نہیں دوں گا۔"

"بالکل نہ دیجیے گا۔ ہمیں آپ کے ساتھ کی ایسی خاص ضرورت بھی نہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔ ڈرائیور نے بھی جواب میں بالکل اسی کے انداز میں منہ بنایا۔ اور پھر سرخ کار کے تعاقب میں چل پڑا۔

"اب آئے گا مزا۔" فرزانہ پرجوش لہجے میں بولی۔

لیکن جلد ہی ان کے منہ بن گئے۔ سرخ کار کی رفتار بہت کم تھی؛ گویا وہ ان سے آگے جانے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ تو صرف تعاقب کر سکتا تھا۔

"لو بھئی فرزانہ، مزا چکھ لو۔ یہ حضرت تو تعاقب کروانے کے بالکل موڈ میں نہیں ہیں۔" فاروق نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"چپ رہو، مجھے غصہ نہ دلاؤ۔ ڈرائیور صاحب رفتار کم کریں اور

اس سے پیچھے ہی رہنے کی کوشش کریں۔"

"ہاں، چاہے اس کی رفتار رینگنے کی حد تک آ جائے۔" فاروق بولا۔

"آخر آپ لوگ چاہتے کیا ہیں؟" ڈرائیور نے تنگ آ کر کہا۔

"ہم اس سرخ کار کا تعاقب کرنا چاہتے ہیں، لیکن مشکل یہ ہے کہ سرخ کار والا ہمارا تعاقب کرنا چاہتا ہے۔ اب آپ ہی بتائیں، ہم کیا کریں۔"

"سوال تو یہ ہے کہ آپ اس کا تعاقب کرنا کیوں چاہتے ہیں۔"

"بس چاہتے ہیں۔" محمود نے کندھے اچکائے۔

"ترکیب میری سمجھ میں آ گئی ہے۔ محمود، تم ٹیکسی سے اتر جاؤ۔" اچانک فرزانہ نے کہا۔

"کیا مطلب، میں ٹیکسی سے اتر جاؤں۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، ایسا ظاہر کرتے ہوئے اتر جاؤ، جیسے تمہیں یہاں کوئی ضروری کام ہو۔ ہم ٹیکسی آگے نکال لے جائیں گے۔ سرخ کار والا تعاقب پھر سے شروع کر دے گا۔ تم اس کے تعاقب میں آ جانا، پھر ہم موقع پا کر نکل جائیں گے۔ اس طرح تمہیں اس کا تعاقب کرنا آسان ہو جائے گا۔"



"ترکیب واقعی زوردار ہے۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"ہو کیوں نہ، سوچنے والی بھی تو فرزانہ ہے۔" فرزانہ نے فاروق کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی عادت ہوتی جا رہی ہے تمہیں۔ مسٹر ڈرائیور — ایک جگہ بریک لگا کر ہمارے ساتھی کو اتار دیجیے اور پھر اس سرخ کار سے آگے نکل چلیے۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے کہا اور پھر یہی کیا گیا۔ اب سرخ کار والا پھر ان کا تعاقب کر رہا تھا اور دونوں بے فکر ہو کر چلے جا رہے تھے۔ جلد ہی انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ محمود اب تک کوئی ٹیکسی پکڑ کر تعاقب میں روانہ ہو چکا ہو گا، چنانچہ فاروق نے ڈرائیور سے کہا:

"اب آپ رفتار بڑھا دیں اور جہاں بھی موقع دیکھیں اس سرخ کار سے بچ نکلنے کی کوشش کریں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اب یہ ہماری گرد کو بھی نہ چھو سکے۔"

"اس سڑک پر گرد یوں بھی نہیں ہوتی۔" فرزانہ مسکرائی۔

"بی مینڈکی کو زکام ہونا اسی کو کہتے ہیں۔" فاروق جھلا کر بولا۔

"ویسے کیا خیال ہے۔ آخر یہ سرخ کار والا چاہتا کیا ہے؟"

"تعاقب کرنا — جب کہ ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔"

اچانک ڈرائیور نے ٹیکسی ایک سمت میں موڑ دی اور پھر رفتار یک لخت بڑھا دی۔ فوراً ہی ایک موڑ آیا، اس نے ٹیکسی اس طرف موڑ دی ۔

"لیجیے، اب وہ ہماری گرد کو بھی نہیں پا سکے گا۔" ڈرائیور نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"شکریہ جناب، آپ بہت ماہر ہیں ۔ اب مہربانی فرما کر اس جگہ چلیے، جہاں سے ہم آپ کی ٹیکسی میں سوار ہوئے تھے، یعنی گرین روڈ سے" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی ؟" ڈرائیور بولا۔

"آپ کے نزدیک نہ ہوئی ہوگی۔ ہمارے نزدیک یہ بات بات ہوئی ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

اور ڈرائیور نے بُرا سا منہ بنا کر سڑک پر نظریں جما دیں۔ اپنی گلی کے موڑ پر اتر کر انہوں نے بل ادا کیا اور گھر کی طرف چلے۔ دروازے پر پہنچ کر وہ ٹھٹک کر رہ گئے۔ باہر ان کے والد کی جیپ کے علاوہ ایک کار بھی کھڑی تھی اور وہ اس کار کو اچھی طرح پہچانتے تھے ۔ عین اسی وقت دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی ۔



محمود سرخ کار کے تعاقب میں تھا ۔ کبھی کبھار اسے فاروق اور فرزانہ والی ٹیکسی بھی نظر آ جاتی تھی، اچانک اس نے ان کی ٹیکسی کو ایک موڑ مڑتے دیکھا ۔ ساتھ ہی سرخ کار کی رفتار بڑھتی نظر آئی۔

"جلدی کیجیے، کہیں سرخ کار نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ میں اس میں بیٹھے ہوئے شخص سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی اچھا۔" ڈرائیور نے کہا اور رفتار بڑھا دی ۔

پھر اس نے بھی سرخ کار کو اسی سمت میں مڑتے دیکھا۔ جب اس کی ٹیکسی اس طرف مڑی تو سرخ کار سیدھی جاتی نظر آئی، لیکن والی ٹیکسی اب کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی ۔ محمود آپ ہی آپ مسکرا اٹھا ۔ اب صرف وہ سرخ کار کے تعاقب میں تھا۔ سرخ کار فاروق اور فرزانہ کی ٹیکسی کا سراغ کھو چکی تھی اور یہ ترکیب فرزانہ کے زرخیز دماغ میں آئی تھی ۔ محمود دل ہی دل میں فرزانہ کے ذہن کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا ۔ جلد ہی اس نے محسوس کر لیا کہ اب سرخ کار کا رخ شہر سے باہر جانے والی سڑک کی طرف ہو چکا ہے۔ اس نے پریشان ہو کر حالات کا جائزہ لیا ۔ فاروق اور فرزانہ اس سے جدا ہو چکے تھے ؛ گویا اب وہ اس دشمن کے مقابلے میں تنہا تھا ۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ جنگل میں اس کے کچھ اور ساتھی بھی موجود ہوں ۔ اس صورت میں وہ پھنس سکتا تھا، لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ اس کا پیچھا چھوڑنے پر تیار نہیں تھا۔ اس شخص نے ان کی والدہ کو

بلاوجہ زخمی کیا تھا، وہ اسے کس طرح نظروں سے اوجھل ہونے دیتا۔
اور پھر اگلی کار واقعی شہر سے باہر جانے والی سڑک پر مڑ گئی۔
ٹریفک کم ہونے لگا۔ یہاں تک کہ سڑک پر بھی یہی دو کاریں رہ
گئیں — اب تعاقب بھی چھپا نہیں رہ سکتا تھا۔

"درمیانی فاصلہ بڑھا لیں — میں نہیں چاہتا، وہ مجھے پہلے ہی
دیکھ لیں۔" محمود نے جلدی سے کہا۔ ڈرائیور نے ہدایت پر عمل کیا۔
اور پھر درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

"آپ کا ارادہ کیا ہے جناب؟" اس کے ٹیکسی ڈرائیور نے
پریشان ہو کر کہا۔

"چلتے رہیے — آج میں ان کا ٹھکانا معلوم کر کے رہوں گا۔"
اس نے بے فکری سے کہا۔

"اچھی بات ہے — آپ جانیں۔" ڈرائیور نے کندھے اچکائے۔
ایک جگہ سڑک دو حصوں میں بٹتی نظر آئی۔ سرخ کار دائیں ہاتھ
والی سڑک پر مڑ گئی اور اس کے ساتھ ہی اس کے ڈرائیور نے ٹیکسی
روک دی۔

"کیوں کیا ہوا؟"

"افسوس، میں یہاں سے آگے نہیں جا سکتا۔"

"کیوں، کیا آگے جانے پر پابندی ہے؟"

"جی نہیں، یہ سڑک غیر محفوظ ہے۔ عرصہ ہوا اس سڑک کا



استعمال ترک کر دیا گیا ہے۔" اس نے کہا۔

"آخر کیسے، یہ غیر محفوظ کیوں ہے؟"

"سڑک آگے چل کر دلدلی ہو جاتی ہے۔ بہت دور تک کچے
میں اتر کر چلنا پڑتا ہے۔ بس وہی موقع خطرناک ہوتا ہے۔ ادھر
کوئی کار کچے میں اتری نہیں، ادھر ڈاکوؤں نے ان پر حملہ کیا نہیں
دراصل کچے میں گاڑیوں کو بہت آہستہ آہستہ چلانا پڑتا ہے اور اس
چیز سے ڈاکو لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ اچانک سامنے آ جاتے
ہیں اور پھر ان لوگوں کو لوٹ کر جنگل میں غائب ہو جاتے ہیں۔"

"اوہ، یہ تو آپ بہت خطرناک بات سنا رہے ہیں۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں، میں نے یہی باتیں سُن رکھی ہیں۔"

"خیر، مجھے یہیں اتار دیں۔ حیرت تو یہ ہے کہ سرخ کار والا
ان ڈاکوؤں سے کیوں نہیں ڈرا۔"

"ہو سکتا ہے، اس کا اپنا تعلق ڈاکوؤں سے ہو۔" ڈرائیور نے
خیال ظاہر کیا۔

"اوہ، یہ آپ نے کام کا خیال ظاہر کیا۔" یہ کہہ کر اس
نے بل ادا کیا اور اپنی راہ لی — اب محمود کھڑا ہونقوں کی طرح اس
سڑک کو گھور رہا تھا۔ آخر وہ پیدل ہی اس سڑک پر چلنے لگا۔ اب
اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا، وہ سوچ رہا تھا، کاش! اس
وقت فاروق اور فرزانہ بھی اس کے ساتھ ہوتے۔ اور کچھ نہیں تو

باتوں کے دوران راستہ ہی کاٹنا آسان ہو جاتا۔ اسے تقریباً آدھ
گھنٹے تک چلنا پڑا، تب کہیں جا کر سرخ کار کے آثار نظر آئے۔ وہ
ایک جگہ درختوں کے جھنڈ میں کھڑی تھی۔ آس پاس کوئی نہیں تھا،
بس ہو کا عالم طاری تھا۔ دبے پاؤں وہ کار کی طرف بڑھنے
لگا۔ آس پاس کوئی عمارت بھی نظر نہیں آ رہی تھی کہ وہ یہ
خیال کرتا، کار کا ڈرائیور اس عمارت میں چلا گیا ہے۔ یہی چیز
اسے حیران کیے دے رہی تھی کہ وہ کہاں تھا، کیا کسی جگہ چھپ
گیا تھا۔ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے وہ سڑک سے اترا تو اسے اپنے
پاؤں زمین میں دھنستے محسوس ہوئے؛ گویا دلدلی حصہ شروع ہو
چکا تھا، لیکن پھر کار کیوں نہیں دھنس رہی تھی۔ یہ عجیب بات
تھی۔ اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اچھل اچھل کر پاؤں
رکھتے ہوئے وہ کار کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اس نے محسوس کیا،
اس جگہ زمین پھر سخت تھی؛ گویا کار کھڑی کرنے والے کو اس
علاقے سے پوری واقفیت تھی۔ درخت اس جگہ دور دور تھے اور
گھنے بھی نہیں تھے۔ شاید اس لیے کہ زمین دلدلی بنتی جا رہی
تھی۔ کار کے نزدیک پہنچتے ہی اسے ایک عمارت کافی دور
چند درختوں کے درمیان دکھائی دی۔ سڑک پر سے یہ عمارت نظر
نہیں آئی تھی۔ یہ کوئی مندر نما عمارت تھی۔ شاید کسی ہندو نے
اسے بنوایا تھا۔



اب تو محمود پر جوش کی حالت طاری ہو گئی اور وہ عمارت کی
طرف بڑھا، پھر بری طرح بوکھلا گیا۔ کیونکہ کار کے پاس سے ہٹتے
ہی زمین پھر دلدلی شروع ہو گئی تھی؛ تاہم یہ دلدل خشک قسم کی
تھی۔ جوں ہی وہ ایک قدم اٹھا کر آگے رکھتا، فوراً اسے یوں
محسوس ہونے لگتا جیسے اس کا پاؤں اب دھنسا کہ اب دھنسا۔
اچھل اچھل کر قدم رکھتے ہوئے آخر بیس منٹ بعد وہ عمارت کے
قریب پہنچ گیا۔ اگر راستہ دلدلی نہ ہوتا تو یہ فاصلہ پانچ منٹ سے
بھی کم وقت میں طے ہو سکتا تھا۔ اس نے دیکھا، عمارت ٹوٹی پھوٹی
اور اجاڑ سی نظر آ رہی تھی۔ اس کا دروازہ ٹوٹا ہوا تھا۔ گویا
عمارت میں داخل ہونا کچھ مشکل نہیں تھا۔ محمود کے کانوں میں خطرے
کی گھنٹیاں بج اٹھیں۔ اس نے سوچا، کیا یہ عمارت میرے لیے
کوئی جال ہے۔ کیا مجھے یہاں سے فوراً واپس پلٹ جانا چاہیے۔
کیونکہ اگر میں یہاں پھنس گیا تو ابا جان یا فاروق اور فرزانہ شاید
ہی اس عمارت کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو سکیں۔ کیونکہ
انہیں نہیں معلوم تھا کہ سرخ کار کے تعاقب میں میں کس سمت
میں نکل آیا ہوں، لیکن دوسری طرف اسے رہ رہ کر اپنی امی کا
زخمی سر یاد آ رہا تھا۔ وہ اس شخص سے دو دو باتیں کیے بغیر واپس
نہیں لوٹنا چاہتا تھا۔ آخر اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، عمارت میں داخل
ہو گیا۔

عمارت کافی بڑی تھی۔ اس کی اینٹیں جھڑتی جا رہی تھیں، کچھ دیواریں بھی ٹوٹ پھوٹ چکی تھیں؛ تاہم اندر سے چند کمرے بالکل درست حالت میں نظر آئے۔ ان میں سے بھی کسی کمرے کا دروازہ صحیح سلامت نہیں تھا۔ ایک کمرے کے سامنے سے گزرتے وقت اس کے اٹھتے قدم رک گئے۔ اندر کا منظر ہول ناک قسم کا تھا۔



# تعاقب کے بعد

سرجبار چند لمحے تک خوف زدہ نظروں سے ان کی طرف دیکھتے رہے، آخر بولے:

"میں نے آج تک اتنا بے ہودہ خیال کبھی نہیں سنا۔ بھلا مجھے منان کھوٹو سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔"

"ان کا خیال ہے کہ اون کی تجارت اس وقت صرف دو آدمیوں کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کے اور ان کے۔ اگر وہ ہلاک ہو جائیں تو پھر اس تجارت کے بادشاہ آپ ہوں گے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں۔ یہی بات میں بھی کہتا ہوں کہ اگر میں ہلاک ہو جاؤں تو اون کی تجارت کا بادشاہ منان کھوٹو ہو گا۔ لہذا کیا خبر، وہ ان دھمکی آمیز خطوط کا فریب دے کر خود مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کا پروگرام بنا چکا ہو۔" انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

"اوہ ہاں، یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں میرا خیال ہے کہ آپ یہ پسند کریں گے کہ وہ فوری طور پر گرفتار ہو جائیں۔" انسپکٹر جمشید

نے کچھ سوچ کر کہا۔

"اگر یہ سازش اس کے ذہن کی ہے، تو اسے ضرور گرفتار ہونا چاہیے، اگر نہیں تو میں بھلا کون ہوتا ہوں، اسے گرفتار کرانے والا؟" سر جبار نے کہا۔

"خیر، لیکن ہمارے پاس نہ آپ کے خلاف کوئی ثبوت ہے اور نہ ان کے خلاف۔ صرف یہ تین خطوط ہمارے پاس موجود ہیں ہم انہی کا سہارا لے کر آگے بڑھ سکتے ہیں۔ کیا آپ رضاکارانہ طور پر اس کیس کو حل کرنے میں قانون کی مدد کریں گے؟" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"میں سمجھا نہیں، آپ مجھ سے کس قسم کی مدد چاہتے ہیں؟"

"میں چاہتا ہوں، آپ اپنے ہاتھ کی تحریر مجھے دے دیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ خط آپ نے نہیں لکھے۔" انہوں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"وہ ضرور، اس میں کیا حرج ہے۔" وہ بولے: "لائیے میں کیا لکھ کر دوں؟"

"کچھ بھی۔" وہ بولے۔

اور انہوں نے ایک کاغذ پر تحریر لکھ کر ان کی طرف بڑھا دی۔ انہوں نے اسے تہہ کرکے جیب میں رکھا اور بولے:

"اب اسی طرح میں منان صاحب سے ایک تحریر لوں گا اور



پھر دونوں تحریروں کو ان تینوں خطوط سے ملایا جائے گا۔ آپ میں سے اگر کوئی شخص اس معاملے میں ملوث ہے تو اس کا نام فوراً ہی ظاہر ہو جائے گا۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اوہو، آپ چل دیے۔ آپ نے پوچھا تو کچھ بھی نہیں۔" سر جبار نے حیران ہو کر کہا۔

"جو سوالات کر چکا ہوں، وہی بہت کافی ہیں۔"

"لیکن انسپکٹر صاحب، اگر ہم دونوں کی تحریر ان خطوط کی تحریر سے نہ ملی تو آپ کیا کریں گے؟" سر جبار نے پوچھا۔

"اس صورت میں میں کوئی اور راستہ نکالوں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔" انہوں نے مسکرا کر کہا اور ان سے رخصت ہو کر باہر آئے اب ان کی جیپ گھر کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ وہ سوچ رہے تھے، انہیں کم از کم مہمان سے علیک سلیک تو ضرور کرنی چاہیے، ورنہ مہمان کیا سوچیں گے۔ میرے دوست توقیر بارانی کیا خیال کریں گے۔ گھر کے سامنے پہنچ کر وہ جیپ سے اترے۔ گھنٹی کا بٹن دبانے کے فوراً بعد قدموں کی آواز سنائی دی اور ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے، کیونکہ قدموں کی آواز بیگم کی نہیں تھی اور یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ بیگم گھر میں موجود ہوں اور دروازہ کوئی اور کھولنے آئے، پھر انہیں خیال آیا کہ بیگم تو زخمی ہیں، شاید اسی لیے..... ابھی یہاں تک ہی سوچ پائے تھے کہ دروازہ کھلا اور ان کی نظر دوسری طرف کھڑے

ایک آدمی پر پڑی، پھر چہرے پر نظر پڑتے ہی انہوں نے چونک کر کہا:
"آہا، تو آپ ہیں مسٹر اوبرام ۔۔۔ مجھ سے ملیے، میں انسپکٹر جمشید ہوں۔"

"آہ ۔۔۔" مسٹر اوبرام کے منہ سے پرجوش آواز نکلی اور انہوں نے آگے بڑھ کر ان سے ہاتھ ملایا۔

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ۔۔۔ افسوس ہم ایئر پورٹ پر نہ مل سکے۔" اوبرام نے کہا۔

"جی ہاں، بس کیا بتاؤں، وزیر خارجہ کے ایک گہرے دوست کا معاملہ آپڑا تھا ۔۔۔ اس لیے مجبوراً ادھر جانا پڑا۔ اب بھی مشکل سے وقت نکال کر آیا ہوں۔ فوراً ہی واپس جانا ہوگا ۔۔۔ تو ان تینوں میں سے ابھی تک کوئی واپس نہیں آیا ۔۔۔ گویا کامیابی سے تعاقب کر رہے ہیں اس بدمعاش کا ۔۔۔ ارے ہاں، میری بیگم کا کیا حال ہے؟"

"وہ سو رہی ہیں ۔۔۔ شاید آپ کے بچوں نے انہیں خواب آور دوا دی ہوگی۔"

"خواب آور دوا ۔۔۔ سو رہی ہیں ۔۔۔ جی نہیں، میرے گھر میں خواب آور دوا نہیں ہے ۔۔۔ خون بہہ جانے کی وجہ سے آنکھ لگ گئی ہوگی۔" ان کے لہجے میں حیرت در آئی۔

یہ کہتے ہوئے وہ اندر داخل ہوئے اور پھر بیگم جمشید کے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ گہری نیند سوتی نظر آئیں ۔۔۔ پہلے تو انہوں نے



ان کے زخم کو دیکھا، پھر انہیں دھیرے سے آواز دی۔

"ہیلو بیگم، سو رہی ہو۔"

لیکن بیگم جمشید کی آنکھ نہ کھلی۔ آخر انہوں نے بازو سے پکڑ کر انہیں ہلایا، لیکن ان کی آنکھ پھر بھی نہ کھلی۔

"کہیں یہ بے ہوش تو نہیں۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے: "مجھے ڈاکٹر کو فون کرنا چاہیے۔"

اوبرام کچھ نہ بولا اور وہ فون کی طرف بڑھ گئے ۔۔۔ جلدی جلدی ڈاکٹر انصاری کو فون کیا۔ پھر آکر کمرے میں بیٹھ گئے۔ مسٹر اوبرام بھی ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔

"مجھے افسوس ہے، آپ کے آتے ہی عجیب و غریب حالات شروع ہو گئے، تو وہ بدمعاش آپ کی ایک کروڑ مالیت کی مورتی اڑا کر یہاں آ گیا ہے۔"

"جی ہاں، یہی بات ہے، ورنہ دوسری چیزوں کے لیے میں کبھی یہاں نہ آتا ۔۔۔ مجھے تو دراصل مورتی نے یہاں تک آنے پر مجبور کیا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں ۔۔۔ محمود، فاروق اور فرزانہ اب اس کے پیچھے لگ گئے ہیں، وہ بچ نہیں سکتا۔" انہوں نے کہا، پھر چونک کر بولے:

"میرے دوست بالائی کا کیا حال ہے؟"

"بہت مزے میں ہیں۔" اوبرام مسکرایا۔

"ایک شخص پر آپ نے احسان کیا، اسے ملازمت دلوائی، اپنے گھر میں رہنے کے لیے جگہ دی اور پھر وہ آپ کے گھر سے قیمتی ترین چیزیں لے اڑا۔ اس واقعے کے بعد تو آپ کو محتاط ہو جانا چاہیے تھا۔" انسپکٹر جمشید نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"میں سمجھا نہیں، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" اوبرام نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ کہ اتنا بڑا نقصان اٹھانے کے بعد بھی آپ نے ایک اور آدمی کے ساتھ ویسی ہی ہمدردی کر ڈالی، یعنی اسے ملازمت دلوائی۔" انہوں نے کہا۔

"جی ہاں، لیکن صرف ملازمت دلوائی، گھر میں جگہ نہیں دی۔ بارانی کے لیے میں نے رہائش کا بندوبست اپنے گھر میں نہیں کیا۔"

"اوہ، تو وہ کہیں اور رہتا ہے۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں افسوس تھا۔

"جی ہاں، اب آپ سے ملنے کے بعد میں سوچ رہا ہوں، واپس جا کر اسے اپنے ساتھ ہی رکھ لوں گا۔"

"اور یہ آپ بہت اچھا کریں گے، کیونکہ بارانی احسان فراموش نہیں ہے اور چوری چکاری سے تو اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے وہ تو ساری زندگی صرف حلال کی روزی کی تلاش میں رہا ہے۔"



"جی ہاں، یہ تو خیر میں اندازہ لگا چکا ہوں۔"

پھر وہ دروازے پر بجنے والی گھنٹی کی آواز سن کر چونکے۔ باتوں میں محو ہو کر وہ تو بھول ہی گئے تھے کہ ڈاکٹر انصاری کو فون کر چکے ہیں۔

"ڈاکٹر صاحب آ گئے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ ڈاکٹر صاحب ہیں۔ کوئی اور ملاقاتی بھی تو ہو سکتا ہے۔" اوبرام نے حیران ہو کر کہا۔

"ڈاکٹر صاحب عام طور پر یہاں آتے رہتے ہیں۔ ان کے گھنٹی بجانے کا انداز ہمیں اچھی طرح معلوم ہے۔ آئیے، آپ بھی چل کر دیکھ لیں۔" انہوں نے کہا اور مسٹر اوبرام بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ باہر نکلنے سے پہلے انہوں نے بیگم پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی۔ وہ ابھی تک ساکت پڑی تھیں۔ ان کے جسم میں اس دوران ایک بار بھی جنبش نہیں ہوئی تھی۔ انسپکٹر جمشید فکرمند ہوتے چلے جا رہے تھے۔ آخر دونوں دروازے پر پہنچے اور دروازہ کھول دیا۔ باہر واقعی ڈاکٹر انصاری موجود تھے۔

"خیر تو ہے جمشید!" انہوں نے بزرگانہ شفقت سے [illegible] بوڑھے ہو چلے تھے۔

"بیگم بے ہوش ہیں۔ ان کے سر پر کچھ دیر پہلے پستول کا دستہ مارا گیا تھا۔ محمود وغیرہ نے پٹی کر دی تھی۔ اس کے بعد وہ نہ جانے

کب بے ہوش ہوگئیں۔"

"اوہ، میں دیکھتا ہوں۔" انھوں نے چونک کر کہا۔

تینوں کمرے میں آئے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنا معائنہ شروع کیا۔ سر کی چوٹ کا بھی بغور جائزہ لیا، آخر بولے:

"پٹی ماہرانہ انداز سے کی گئی ہے۔ آپ کے بچے تو بہترین کمپاؤڈر ہیں۔ زخم زیادہ خطرناک نہیں ہے اور ان کی بے ہوشی کم از کم اس زخم کی وجہ سے تو ہو نہیں سکتی، لیکن نہیں۔ پہلے تو یہ بتائیں کہ جب ان کے سر پر چوٹ لگی تھی، کیا یہ اس وقت سے بے ہوش ہیں۔"

"جی نہیں، محمود، فاروق اور فرزانہ کے ہلانے جلانے پر جلد ہی ہوش میں آگئی تھیں اور پھر اپنے زخمی ہونے کی کہانی بھی سنائی تھی انھوں نے۔ اس کے بعد ہوش میں رہتے ہوئے ہی پٹی کرائی تھی۔ کیونکہ اگر بے ہوشی کے عالم میں پٹی کی گئی ہوتی تو محمود ضرور آپ کو فون کرتا۔ اس کے بعد یہ کسی وقت بے ہوش ہوئیں۔"

"خیر، میں دیکھتا ہوں۔"

اب انھوں نے ذرا تفصیلی معائنہ کیا، پھر انھیں ایک انجکشن دیا اور بولے:

"میرا خیال ہے، یہ آدھ گھنٹے تک ہوش میں آجائیں گی۔ اگر نہ آسکیں تو مجھے پھر فون کر دیجیے گا۔"



"لیکن ڈاکٹر صاحب، میں تو آپ سے ایک اور درخواست کرنے والا تھا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیسی درخواست؟" انھوں نے چونک کر کہا۔

"مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کسی وقت بھی لوٹنے والے ہیں۔ آپ ذرا ان کے آنے تک ٹھہر جائیے۔ مسٹر اوبرام میرے گھر میں مہمان ہیں۔ میں نہیں چاہتا انھیں کسی قسم کی کوئی پریشانی ہو۔"

"آپ میری فکر نہ کریں۔" اوبرام نے جلدی سے کہا۔ انسپکٹر جمشید اوبرام کی وجہ سے ڈاکٹر انصاری سے انگریزی میں گفت گو کرتے رہے تھے، تاکہ وہ کوئی الجھن نہ محسوس کریں۔

"میں رک جاتا ہوں جمشید، آپ چلے جائیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔" انھوں نے کہا اور اوبرام سے معذرت کرکے باہر کی طرف چلے۔ جوں ہی انھوں نے دروازہ کھولا، ان کی نظریں باہر کھڑے فاروق اور فرزانہ پر پڑیں۔ فوری طور پر ان کے منہ سے نکلا:

"محمود کہاں ہے؟"

محمود نے دیکھا، کمرے میں وہ لمبا آدمی چت پڑا تھا اور اس کے سینے میں ایک خنجر پیوست تھا۔ محمود بوکھلا کر آگے بڑھا، پھر ٹھٹک کر رک گیا۔ فوراً ہی اسے ایک عجیب سا احساس ہوا، گھبرا کر پلٹا اور کمرے سے نکل جانا چاہتا تھا کہ ایک آواز پاؤں کی زنجیر بن گئی۔

"کہاں جا رہے ہو بھئی؟ جب اتنی دور آ گئے ہو تو اندر بھی آ جاؤ۔"

وہ چونک کر مڑا۔ اس نے لمبے آدمی کو مسکراتے ہوئے اٹھتے دیکھا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں وہی خنجر تھا جو اس کے سینے میں پیوست نظر آیا تھا۔ دائیں ہاتھ میں ایک ننھا سا پستول چمک رہا تھا اور محمود بھی اسی خطرے کا احساس کر کے کمرے سے نکلنے لگا تھا کہ اسے دھوکا دیا جا رہا ہے۔ دراصل لمبے آدمی کے آس پاس فرش پر خون نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

"تو یہ ڈھونگ رچانے کی کیا ضرورت تھی۔ اندر تو میں آتا ہی۔" محمود نے بھنا کر کہا۔

"بھئی، ذرا شغل کے موڈ میں تھا۔"

"لیکن یہ خنجر کس طرح پیوست نظر آ رہا تھا؟" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"قمیص کے نیچے ہاتھ ڈال کر میں نے اسے چٹکی سے پکڑ لیا تھا۔"



وہ ہنسا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔

"آؤ بھئی بیٹھو، تم تو یہاں مہمان ہو، یہ اور بات ہے کہ تمہارے گھر میں بھی اس وقت ایک مہمان موجود ہے۔"

"تو تم ہی اس شریف آدمی کی مورتی اور دوسری چیزیں لے کر بھاگے ہو۔" محمود نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"بھاگا نہیں، جہاز کے ذریعے آیا ہوں۔" وہ ہنسا۔

"لیکن تم نے میری امی جان کے سر پر پستول کا دستہ کیوں مارا تھا، کیا اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا تھا؟"

"نہیں، اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے یہ بہت ضروری تھا۔" اس نے کہا۔

"تو تم یہاں رہتے ہو، تاکہ کوئی تم تک نہ پہنچ جائے۔ خیر وہ مورتی کہاں ہے؟"

"اس کی فکر چھوڑو — اور ہاں میں شہر میں بھی رہتا ہوں۔ یہ ٹھکانا تو ایسے وقت کے لیے ہے، جب کوئی ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ جائے۔ اس وقت ہم اسے یہاں لے آتے ہیں کھینچ کھانچ کر۔"

"ہم، تو کیا تمہارے کچھ ساتھی بھی ہیں؟"

"ہاں بھئی، ہمارا تو پورا گروہ ہے — ہم ہمیشہ دوسرے ملکوں میں وارداتیں کرتے ہیں اور پھر اپنے ملک میں آ جاتے ہیں۔"

اس نے فخریہ کہا۔

"واہ، خوب نام روشن کر رہے ہو ملک کا۔" محمود جل کر بولا۔

"اس کام کے لیے تم کیا کم ہو۔"

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی اور دو غنڈہ صورت آدمی اندر داخل ہوتے نظر آئے۔

"اس کی ٹیکسی کے پیچھے کوئی نہیں آیا۔ ہم نے اچھی طرح اطمینان کر لیا ہے۔" آتے ہی ان میں سے ایک نے کہا۔

"اوہ، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کے بھائی اور بہن نے اس سے الگ ہونے کے بعد گھر کی راہ لی ہو۔" اس کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"اس میں کوئی شک نہیں، وہ دونوں کہیں بھی نظر نہیں آئے۔"

"یہ تو غلط ہو گیا۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"کیا غلط ہو گیا۔" محمود نے چونک کر اس کی طرف گھورا۔

"کچھ نہیں، میرا خیال تھا کہ الگ الگ ہونے کے بعد بھی تم میرا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک ضرور آؤ گے اور پھر ہم تم تینوں کو قابو میں کر کے انسپکٹر جمشید کو مجبور کر دیں گے کہ وہ اپنے مہمان کے معاملے میں ٹانگ نہ اڑائے، ورنہ اس کے تینوں بچوں کی زندگیوں کی ضمانت نہیں دی جا سکے گی۔"

"زندگیوں کی ضمانت تو تم کسی صورت میں بھی نہیں دے سکتے۔"



محمود نے منہ بنایا۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ ہم ان دونوں کو بھی کھینچ لائیں گے۔ ٹامو، تم اسی وقت جاؤ اور ان دونوں کو جا کر بتاؤ کہ ان کا بھائی جنگل میں ایک جگہ بے ہوش پڑا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ دوڑے آئیں گے۔ تم دونوں کو سیدھے ادھر لے آنا۔" اس نے ان میں سے ایک سے کہا۔

"بہت اچھا استاد۔ آؤ روڈے چلیں۔" وہ دوسرے سے بولا۔

"تم اکیلے جاؤ گے۔ روڈا میرے پاس رہے گا۔ کیا خبر، کب باس کا کیا حکم موصول ہو جائے۔" اس نے کہا۔

"اوہو، تمہارا کوئی باس بھی ہے؟" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"باس کے بغیر کوئی گروہ کام کر ہی نہیں سکتا۔" اس نے کہا۔

"اس اصول کا مجھے آج ہی پتا چلا ہے۔" محمود مسکرایا۔ ٹامو کمرے سے نکل گیا۔

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ تمہیں سامنے آنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر تم لوگ بالکل خاموش رہتے تو ہم تمہیں بھلا کس طرح تلاش کر لیتے۔" محمود نے ٹامو کے جانے کے بعد کہا۔

"تم اپنے والد کو کیا سمجھتے ہو۔ وہ بہت جلد ہمارا کھوج

لگا لیتے۔"

"تب پھر وہ اب بھی تمہارا بہت جلد کھوج لگا لیں گے۔ یہ
کیوں بھولتے ہو۔" محمود بولا۔

"وہ اس ٹھکانے کا نہیں، باس کا کھوج لگا سکتے ہیں،
لیکن اس وقت سے پہلے ہی انہیں دھمکی دی جا چکی ہوگی کہ
اس معاملے میں ہاتھ نہ ڈالیں۔"

"گویا تمہارے خیال میں ان کے لیے تمہارے باس تک
پہنچنا بہت آسان ہے۔"

"ہاں، کم از کم میں تو یہی سمجھتا ہوں۔" اس نے پُریقین
لہجے میں کہا۔

"خیر، اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟" محمود نے کندھے
اچکائے۔

"ہم تمہارے بھائی اور بہن کا انتظار کریں گے۔ اس کے بعد
میں باس کو اس کامیابی کی اطلاع دوں گا اور ان کے آئندہ حکم
کا انتظار کروں گا۔"

"گویا اب مجھے کچھ وقت یہیں کاٹنا ہوگا، تو میں آرام سے
بیٹھ اور لیٹ سکتا ہوں نا۔" اس نے کہا۔

"ہاں، لیکن کوئی حرکت نہیں کر سکتے — کوئی حرکت کی نہیں



اور میرا پستول چلا نہیں۔" اس نے غرا کر کہا۔

"جان گیا۔" محمود نے کہا اور پھر فرش پر لیٹ کر آنکھیں بند
کر لیں —

اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ معاملہ عجیب و غریب
تھا — ان کے ہاں ایک مہمان موجود تھا — مہمان کی آمد سے پہلے
ہی ان کی امی کو زخمی کر دیا گیا تھا اور یہ دھمکی دی گئی تھی کہ
اگر انہوں نے مہمان کی مدد کرنے کی کوشش کی تو وہ ایک عجیب
غریب مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ تو کیا وہ یہی مصیبت تھی —
یعنی ان کا اغوا — اور اگر فاروق اور فرزانہ بھی یہاں آ کر پھنس
جاتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت تک انہیں اپنے
قبضے میں رکھنے کی کوشش کرتے، جب تک کہ مہمان واپس نہ چلا
جاتا — ادھر ان کے والد ایک اور ہی معاملے میں الجھے ہوئے تھے۔

یہ باتیں سوچ سوچ کر محمود کا ذہن الجھنے لگا — اس پر غنودگی
کی کیفیت طاری ہونے لگی — اس نے آنکھیں تھوڑی سی کھول کر دیکھا،
استاد اور اس کا ساتھی کرسیوں پر چوکس بیٹھے تھے۔ اب خنجر موٹے
کے ہاتھ میں تھا اور پستول استاد کے ہاتھ میں — وہ دو مسلح آدمیوں
سے نہیں لڑ سکتا تھا، جب تک کہ کوئی مناسب موقع نہ مل جاتا، ہاں
وہ تینوں موجود ہوتے تو اور بات تھی — فاروق کی پھیلے دار باتیں ان

لوگوں کو الجھا لیتیں ۔ اور وہ کوئی نہ کوئی موقع ان پر جھپٹ پڑنے کا نکال ہی لیتے ۔

پھر بہت دیر بعد قدموں کی آواز گونجی ۔



# پھنس گئے

انہوں نے جلدی جلدی تعاقب کی کہانی سنائی ۔ یہ کہانی سن کر انسپکٹر جمشید سوچ میں ڈوب گئے ۔ پھر انہوں نے ان کی امی کی بے ہوشی کے بارے میں بتانے کے بعد کہا :

"اچھا، تم لوگ اندر مہمان کے پاس بیٹھو ۔ میں ملتان صاحب کے ہاں جاتا ہوں ۔ محمود کے واپس آنے پر مجھے فون کر دینا ۔ اور ہاں اس آدمی کا حلیہ بھی بتا دو، جس نے تمہاری امی کو زخمی کیا ہے ۔ شاید اس کا کوئی ریکارڈ موجود ہو ۔"

"جی بہتر ۔" فاروق نے کہا اور حلیہ دہرا دیا ۔ انہوں نے حلیہ نوٹ کر لیا اور جیپ میں بیٹھ گئے ۔ وہ اندر داخل ہوئے تو مہمان کو پریشانی کے عالم میں دیکھا ۔ ڈاکٹر انصاری انہیں دیکھتے ہی جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ۔

"آپ کیوں پریشان ہیں ؟" فاروق نے ڈاکٹر صاحب کو رخصت کرنے کے بعد اندر آتے ہوئے کہا ۔

"آپ لوگوں کی وجہ سے سوچ رہا ہوں — میں نے غلط طریقہ اختیار کیا ہے۔ مجھے تو اپنی حکومت کے ذریعے آپ کی حکومت سے درخواست کرنی چاہیے تھی۔ پولیس خود ہی مورتی برآمد کر لیتی — اب میری وجہ سے آپ لوگ پریشان ہو رہے ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں — اس قسم کے حالات میں ہم پہلی بار نہیں الجھے — یہ تو ہمارا روز کا معمول ہے۔"

"ارے، آپ کا بھائی نظر نہیں آ رہا۔" مسٹر اوبرام چونکے۔

"وہ اس شخص کے تعاقب میں گیا ہے، جس نے دھمکی دی تھی اور غالباً اسی نے آپ کی مورتی چرائی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اوہ، تو وہ باہر ہی کہیں موجود تھا؟" اوبرام نے چونک کر کہا۔

"ہاں، جوں ہی ہم ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر روانہ ہوئے، اس نے ایک سرخ رنگ کی کار میں ہمارا تعاقب شروع کر دیا۔"

"اوہ۔" مسٹر اوبرام نے گھبرا کر کہا۔

"لیکن جناب اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے؟" فاروق مسکرایا۔

"لیکن ابھی ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ آپ کا بھائی اس کے تعاقب میں گیا ہے — یہ کیسے ممکن ہے، جب کہ تعاقب تو وہ کر رہا تھا آپ لوگوں کا۔"

"جی ہاں، دراصل آپ ہمارے طریقوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔" فاروق نے کہا اور پھر جو کچھ انہوں نے کیا تھا، کہہ سنایا۔



"حیرت انگیز، آپ لوگ تو عجیب و غریب صلاحیتوں کے مالک ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"جی بس، کیا بتائیں، ہم تو کسی قابل بھی نہیں۔" فرزانہ نے انکساری سے کام لیا۔

"اب آپ کے والد ادھر سے فارغ ہو جاتے تو اس معاملے کو پوری طرح اپنے ہاتھ میں لے سکتے تھے۔ اس طرح میری مورتی مجھے مل جاتی اور میں اپنے ملک کی راہ لیتا۔"

"فکر نہ کریں، ایسا ہی ہوگا — وہ صبح تک فارغ ہو جائیں گے اور پھر آپ کا کام جلد از جلد نمٹانے کی کوشش کریں گے۔" فرزانہ نے جواب دیا۔

"اب آپ آرام کریں۔" فاروق بولا۔

"ان حالات میں آرام کا خیال کیسے آئے۔" اوبرام نے پریشان آواز کہا۔

"آپ سب کچھ ہم پر چھوڑ دیں — آئیے ہم آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دیں۔" فرزانہ نے کہا اور دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

مسٹر اوبرام بھی اٹھ کھڑے ہوئے — بیگم جمشید نے مہمان کے لیے کمرہ درست کر دیا تھا — اوبرام کو اس کمرے میں چھوڑ کر وہ اپنی امی کے کمرے میں آ گئے — وہ ابھی تک بے ہوش تھیں۔

"اب کیا کریں فاروق؟" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"انتظار، محمود کا انتظار — اور امی جان کے ہوش میں آنے کا انتظار — اور اگر یہ آدھ گھنٹے تک ہوش میں نہ آئیں تو پھر ہم ڈاکٹر صاحب کو فون کر کے ان کا انتظار کریں گے۔" فاروق نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"گویا آج ہم صرف انتظار پر ہی گزارا کریں گے۔" فرزانہ بولی۔

"ان حالات میں اور کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔

"محمود سرخ کار کے تعاقب میں نہ جانے کہاں کا کہاں پہنچ گیا ہوگا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"جہاں کا جہاں بھی پہنچ گیا ہوگا، واپس ضرور آئے گا، فکر نہ کرو۔" فاروق بولا۔

"اور یہ جہاں کا جہاں کیا ہوتا ہے؟"

"کہاں کا کہاں کا جواب۔" فاروق نے کہا۔

"دھت تیرے کی۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"تم محمود نہیں، فرزانہ ہو۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"مجھے یہ بات بہت اچھی طرح یاد ہے۔ اطمینان رکھو۔" فرزانہ کاٹ کھانے والے لہجے میں بولی۔

"اچھا۔" اس نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا۔



ان کی باتوں کا سلسلہ جاری تھا کہ دروازے کی گھنٹی بج اٹھی۔ دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ انداز بالکل غیر مانوس تھا۔

"آؤ دیکھیں، دروازے پر کون ہے۔" فرزانہ بولی۔

دونوں اٹھ کر دروازے پر آئے۔

"کون ہے؟" فاروق نے دروازہ کھولے بغیر کہا۔

"تمہارے بھائی کا پیغام لانے والا ایک راہگیر ہوں۔" باہر سے آواز آئی۔

"کیا مطلب؟"

"تمہارا بھائی مجھے جنگل میں زخمی حالت میں پڑا ملا تھا؛ تاہم وہ ہوش میں تھا۔ اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس کے بارے میں تمہیں خبر کر دوں۔"

"اوہ۔" دونوں نے ایک ساتھ بوکھلا کر کہا، پھر ہر احتیاط کو بھول کر فرزانہ نے چٹخنی گرا دی۔ انہوں نے دیکھا، دروازے میں ایک لمبے قد کا آدمی کھڑا تھا۔

"تو آپ نے اسے زخمی حالت میں پایا ہے۔" فاروق نے جلدی سے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے کہا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔ ذرا جلدی سے بتائیے، جنگل میں

وہ جگہ کہاں ہے، ہمیں کس سمت میں جانا ہوگا؟

"اس طرح آپ شاید وہاں تک نہ پہنچ سکیں، کیونکہ جگہ سڑک سے ہٹ کر ہے — میں آپ کے ساتھ چلا چلتا ہوں۔"

"اوہ، یہ ٹھیک رہے گا — آپ اندر تشریف رکھیے، ہم ابھی آپ کے ساتھ چلتے ہیں۔" انہوں نے ایک ساتھ کہا، پھر اسے ڈرائنگ میں بٹھایا اور اپنے ابا جان کے کمرے میں آئے۔ فاروق نے ملتان کھوٹو کے نمبر ڈائل کیے اور پھر جلد ہی دوسری طرف سے انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو فاروق، خیر تو ہے — تمہاری آواز سے گھبراہٹ کیوں ٹپک رہی ہے۔"

"ایک شخص آیا ہے ابا جان، اس نے خبر دی ہے کہ جنگل میں محمود ایک جگہ زخمی پڑا ہے — وہ ہمارے ساتھ جا کر وہ جگہ دکھانے کے لیے بھی تیار ہے۔"

"اوہ، پھر تم گئے کیوں نہیں، مجھے فون کرنے میں وقت کیوں ضائع کر رہے ہو۔" انہوں نے جھلا کر کہا۔

"یہ فون آپ سے مشورے کے لیے کیا ہے۔" فاروق نے سہم کر کہا۔

"جلدی جاؤ۔" انہوں نے کہا۔

"جی بہتر۔" فاروق نے ریسیور رکھ دیا اور فرزانہ کی طرف مڑا



"انہوں نے حکم دیا ہے کہ ہمیں اس کے ساتھ جانا چاہیے۔"

"تو پھر دیر کاہے کی ہے، جلدی چلو۔" فرزانہ بولی۔

"اب ہمیں پھر مسٹر اوبرام کو تکلیف دینا ہوگی۔ امی جان تو اٹھ کر دروازہ بند کر نہیں سکیں گی۔"

دونوں مہمان کے کمرے میں آئے۔ مسٹر اوبرام بستر پر لیٹ چکے تھے؛ تاہم نیند ان کی آنکھوں سے غائب تھی۔

"مسٹر اوبرام، ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ ہمارا.... بھائی جنگل میں ایک جگہ بے ہوش پڑا ہے — ہم وہاں جا رہے ہیں۔ آپ کو زحمت تو ہوگی، ذرا اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کر لیں اور اگر دس منٹ تک ہماری امی کو ہوش نہ آئے تو ڈاکٹر انصاری کو فون کر دیجیے گا — ہم ان کا نمبر آپ کو لکھ کر دے دیتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے، آپ فکر نہ کریں۔" انہوں نے کہا۔

ڈاکٹر انصاری کا نمبر لکھ کر انہوں نے انہیں دے دیا اور راہگیر کو ساتھ لے کر گھر سے نکل گئے۔ اوبرام نے ان کے نکلنے کے بعد دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

دونوں راہگیر کے ساتھ ایک ٹیکسی میں بیٹھے اور سڑک پر اس جگہ تک آئے، جہاں سے سڑک دو حصوں میں بٹ جاتی تھی۔

"یہاں سے ہمیں پیدل چلنا ہوگا۔" راہگیر نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" فاروق نے کہا اور نیچے اتر کر ٹیکسی ڈرائیور
"ہمارا بھائی اس طرف زخمی پڑا ہے۔ ہم اسے اٹھا کر ابھی
لاتے ہیں۔ آپ انتظار کریں گے نا؟"

"جی، جی کیوں نہیں، لیکن ذرا جلدی آنے کی کوشش
کیجیے گا۔"

"آپ فکر نہ کریں۔"

وہ اس کے ساتھ دلدلی سڑک پر چلنے لگے۔ آخر اس جگہ پہنچ
گئے، جہاں سرخ کار کھڑی تھی۔ سرخ کار کو دیکھ کر وہ چونکے۔ ان کے
دل دھک دھک کرنے لگے؛ تاہم دونوں خاموش رہے۔ محمود کو دیکھ
لینے تک وہ کچھ بھی نہیں کہنا چاہتے تھے۔ اچانک راہگیر کے ہاتھ
میں پستول نظر آیا اور اس نے غرا کر کہا۔

"اس طرف چلو۔"

"ہمیں پہلے ہی معلوم تھا کہ ہمیں دھوکا دیا جا رہا ہے۔ اس
کے باوجود ہم چلے آئے، کیونکہ اس طرح کم از کم ہم اپنے بھائی
کے پاس تو پہنچ ہی سکتے ہیں۔"

"فکر نہ کرو، تمھارا بھائی یہاں سے بہت نزدیک ہے۔"

پھر دونوں اس کے آگے چلتے ہوئے اس عمارت میں داخل
ہوئے۔ دونوں نے ہاتھ اوپر اٹھا رکھے تھے۔ کمرے میں داخل ہوتے
ہی انہوں نے محمود کو اندر لیٹے پایا۔ یہ دیکھ کر انہیں اور بھی خوشی



ہوئی کہ وہ کہیں سے بھی زخمی نظر نہیں آ رہا تھا۔

"ہیلو محمود، سنا ہے، تم کچھ ٹوٹ پھوٹ گئے ہو۔" فاروق نے
چہکتی آواز میں کہا۔

○

انسپکٹر جمشید دوبارہ مستان کھوٹو کی کوٹھی میں داخل ہوئے تو
وزیرِ خارجہ کو وہیں موجود پایا۔ انہیں دیکھتے ہی وہ بولے:

"کیوں جمشید، کیا رہا؟"

"میں سر جبار سے ملاقات کر آیا ہوں جناب۔ ان کے ہاتھ
کی تحریر بھی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ اب میں تحریر
کے ماہر کو یہاں بلاؤں گا اور خطوط کی تحریر سے اس تحریر کا
موازنہ کراؤں گا، لیکن معاف کیجیے گا، سر جبار نے ایک نئی بات
کہی ہے۔"

"کیا بات؟" مستان کھوٹو نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہ کہ آپ نے خود ہی یہ خط لکھے ہیں تاکہ شک سر
جبار پر کر کے انہیں بدنام کرنے کی کوشش کر سکیں۔"

"یہ سراسر الزام ہے۔" مستان کھوٹو نے تقریباً چیخ کر کہا،
پھر بولے:

"آپ میرے ہاتھ کی بھی تحریر لے لیں اور ان خطوں سے ملا کر دیکھ لیں۔"

"میرا خیال ہے، اس کی ضرورت نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جب کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کی ضرورت ہے۔" منان کھوٹو نے کہا — اور غصے کے عالم میں قلم کاغذ سنبھال کر بیٹھ گئے اور کاغذ پر کچھ لکھنے لگے، پھر کاغذ انہوں نے ان کی طرف بڑھا دیا۔

"لیجیے، اب اپنے ماہر کو بلا لیجیے، تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں جناب، اس کی ضرورت نہیں۔" انسپکٹر جمشید نرم آواز میں بولے۔

"ضرورت ہے، انسپکٹر صاحب، میں اپنی ذات کو ہر شبے سے پاک رکھنا چاہتا ہوں۔" انہوں نے تند لہجے میں کہا۔

"اچھی بات ہے، جیسے آپ کی مرضی۔" انہوں نے کندھے اچکائے۔ اور ماہر کو فون کیا — جلد ہی ماہر وہاں پہنچ گیا — اسے تینوں خط اور دونوں تحریریں دے دی گئیں۔ وہ ان کے جائزے میں کھو گیا۔ آخر سر اٹھا کر بولا:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ تینوں خطوط ایک ہی ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں، لیکن دونوں تحریروں کا ان خطوط والی تحریر سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ یہ خط جس کسی نے لکھے ہیں، ان دونوں میں سے کوئی سی



تحریر بھی اس نے نہیں لکھی۔"

"بہت خوب، تب تو مسٹر جبار پر بھی شک نہیں کیا جا سکتا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ صرف میرا خیال تھا؛ تاہم خط تو کسی نہ کسی نے لکھے ہیں۔"

"ہاں، آپ فکر نہ کریں — میں خط لکھنے والے کو ضرور گرفتار کر کے رہوں گا، لیکن اس کے لیے مجھے یہاں سے باہر جانا ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں، یہاں آپ کی حفاظت کے انتظامات مکمل ہیں اور آپ کو کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں۔"

"اگر آپ کو اطمینان ہے تو پھر ٹھیک ہے۔"

"اچھا تو کھوٹو، اب میں بھی چلوں گا — صبح پھر آؤں گا۔" وزیر خارجہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جی بہت بہتر۔" منان کھوٹو نے اٹھ کر ان سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

ان کے رخصت ہونے کے بعد انسپکٹر جمشید اکرام کو ایک الگ گوشے میں لے گئے اور بولے:

"اکرام، تمہارے ذہن کے ریکارڈ میں کسی ایسے آدمی کا حلیہ موجود ہے یا نہیں جو لمبا، پتلا اور دبلا ہے — رنگ سانولا، چہرہ بہت بھاری بھرکم — ناک لمبی اور درمیان سے ابھری ہوئی، ہونٹ بھینچے

گھنے بال۔"

ان کے خاموش ہونے پر اکرام سوچ میں ڈوبا رہا۔ آخر کافی دیر بعد اس نے کہا:

"جی ہاں، مجھے یاد آگیا۔ آپ ضرور شنکو کی بات کر رہے ہیں۔"

"شنکو۔" انسپکٹر جمشید چونک کر بولے۔ "وہ جو بہت عرصہ پہلے بنکوں میں ڈاکے ڈالا کرتا تھا۔ جو پیچیدہ ترین تالے کھولنے میں ماہر تھا اور پھر اس طرح غائب ہو گیا تھا، جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ پولیس آج تک اسے تلاش نہیں کر سکی۔"

"جی ہاں، وہی شنکو۔" اکرام نے کہا۔

"ضرور یہی بات ہے۔ اور وہ غائب اسی لیے ہے کہ اب وہ ہمارے ملک میں وارداتیں نہیں کرتا۔ اب دوسرے ملکوں میں جا کر وارداتیں کرتا ہے۔ اکرام، اس مرتبہ وہ ایک غیر ملکی کی ایک کروڑ ڈالر مالیت کی مورتی اڑا لایا ہے اور وہی غیر ملکی اس وقت میرے ہاں بطور مہمان موجود ہے۔"

"اوہ۔" اکرام کے منہ سے نکلا۔

"میں ذرا باہر جا رہا ہوں اکرام، آنکھیں اور کان کھلے رکھنا۔ وزیر خارجہ صاحب کو ہم سے کوئی شکایت نہ ہونے پائے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ شنکو سے ہوشیار رہیے گا سر۔ وہ بہت



خطرناک ہے۔"

"فکر نہ کرو۔" انہوں نے کہا اور کوٹھی سے باہر نکل آئے۔

اب ان کی جیپ ایک سمت میں اڑی جا رہی تھی۔

# چھوٹے مہمان

"یہ ہوائی کسی دشمن نے اُڑائی ہوگی — ویسے مجھے امید نہیں تھی کہ تم بھی آ پھنسو گے۔" محمود نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"یہ جاننے کے لیے کہ تم کہاں ہو، ہمیں پھنسنا ہی پڑا۔" فرزانہ نے جواب دیا —

"چلو خیر، کوئی بات نہیں — دیکھا جائے گا۔ آؤ بیٹھو، چاہے لیٹو — افسوس تمہارے لیے کرسیاں پیش نہیں کر سکتا۔" محمود نے شوخ لہجے میں کہا — اور وہ دونوں بھی اس کے پاس بیٹھ گئے۔

"ان لوگوں کے ارادے کیا ہیں؟"

"ابا جان سے یہ مطالبہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ مہمان کی مدد نہ کریں اور مہمان کو رخصت کر دیں۔" محمود نے انہیں بتایا۔

"لیکن ابا جان تو یہ بات نہیں مانیں گے۔" فرزانہ نے انکار میں سر ہلایا۔

"اس صورت میں یہ ہمیں نہیں جانے دیں گے۔"



"اوہ، تو یہ بات ہے۔"

"اور مزے کی بات یہ ہے کہ ان لوگوں کا ایک عدد باس بھی ہے۔"

"ایک تو موقع بے موقع باس لوگ ٹپک پڑتے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا — اور وہ مسکرا کر رہ گئے۔

"تو پھر باس سے یہ لوگ کب ملوا رہے ہیں؟" فرزانہ نے کہا۔

"پتا نہیں — شاید وہ یہاں آنا پسند ہی نہیں کرے گا — یہ لوگ دراصل ماڈرن ڈاکو ہیں۔" محمود بولا۔

"ماڈرن ڈاکو، کیا مطلب؟" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"ایک تو تم ہر بات کا مطلب پوچھنے بیٹھ جاتی ہو۔"

"تم تکلیف نہ کرو، محمود سے پوچھ رہی ہوں۔" فرزانہ نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"یہ لوگ اپنے ملک سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اس لیے ملک میں ڈاکے کی کوئی واردات نہیں کرتے۔ دوسرے ملکوں کو اس کام کے لیے منتخب کرتے ہیں، لہٰذا ادھر ادھر کے ملکوں میں ہاتھ صاف کر کے یہاں آ جاتے ہیں۔"

"بھئی واہ، ملک کا نام روشن کرنے کا انہوں نے اچھا طریقہ سوچا۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"میں نے یہی کہا تھا، لیکن ان لوگوں کو اس کی کیا پروا ہے کہ کوئی ان کے بارے میں کیا کہتا ہے۔"

"میں نے آج تک اتنے باتونی بچے نہیں دیکھے۔ زبان تو رک ہی نہیں رہی کسی کی۔" استاد نے جھلا کر کہا۔

"اوہو، شاید آپ بھی ہم سے کچھ بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔ فرمائیے، ہم آپ کی بات بغور سننے کے لیے تیار ہیں۔"

"میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ باس کے آنے کا وقت ہو گیا ہے۔ ان کا غصہ بہت تیز ہے۔ ایسا نہ ہو، تم پر غصہ آ جائے اس صورت میں ہم تمہیں ان کے ہاتھوں سے بچا نہیں سکیں گے۔"

"اس اطلاع کے لیے بہت بہت شکریہ، ہم کوشش کریں گے کہ باس کو غصہ نہ آئے۔ بلکہ ہماری بات پر ہنسی آئے۔" فاروق نے کہا۔

فاروق اور فرزانہ اسی وقت نظروں ہی نظروں میں اپنے اردگرد کا جائزہ لے چکے تھے۔ وہ اس وقت شہر سے تقریباً دس کلومیٹر دور جنگل کی ایک ایسی عمارت میں تھے، جو عام استعمال میں آنے والی سڑک کے بجائے دوسری سڑک سے کچھ فاصلے پر تھی۔ اس عمارت کے اردگرد دلدلی علاقہ تھا۔ ان کی تعداد تین تھی، کمرے میں موجود دشمنوں کی تعداد بھی تین تھی۔ اگر وہ ان سے مقابلے پر تل جاتے تو ان کے لیے خطرہ ہی خطرہ تھا۔ ایک تو وہ نہتے تھے۔



جب کہ دشمنوں کے پاس پستول اور خنجر موجود تھے۔ دوسرے فرار ہونا ان کے لیے مشکل تھا، کیونکہ وہ پیدل بھاگتے، جب کہ دشمن کار کے ذریعے ان تک پہنچ سکتے تھے۔ سڑک دلدلی ہونے کی وجہ سے وہ دشمنوں کی کار لے جانے کی کوشش بھی نہیں کر سکتے تھے، لہذا انہوں نے دل ہی دل میں یہی فیصلہ کیا کہ وہ فی الحال کچھ نہیں کریں گے، تیل دیکھیں گے اور تیل کی دھار دیکھیں گے۔

اچانک ان کے کانوں سے ایک کار کے انجن کی آواز ٹکرائی۔ استاد اور اس کے ساتھی بھی چونک کر سیدھے ہو گئے، پھر استاد نے کہا:

"باس آ گئے ہیں۔"

دو منٹ بعد کار کا انجن بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ استاد نے ٹامو اور روڈا کو باس کے استقبال کے لیے باہر جانے کا اشارا کیا۔ دونوں چلے گئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ چاہتے تو اسی وقت استاد پر جھپٹ پڑنے کی کوشش کر سکتے تھے، لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

چند منٹ بعد انہوں نے ٹامو اور روڈے کے آگے ایک لمبے قد کے آدمی کو آتے دیکھا۔ اس کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک تھی۔ اس آدمی کو انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔

"ہیلو دوستو، کیا حال ہے؟"

"سب ٹھیک ہے باس۔" استاد نے کہا۔

"اور ہمارے چھوٹے مہمانوں کا کیا حال ہے؟"

"یہ بھی ٹھیک ہیں۔ بس ذرا پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔" استاد ہنسا۔

"یہ ہم پر سراسر الزام ہے — ہم نے بھول کر بھی پیچ و تاب کھانے کی کوشش نہیں کی — کھانے کے لیے اور تھوڑی چیزیں ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بھئی واہ، ہمارے چھوٹے مہمان تو بہت خوش مزاج ہیں۔" باس نے خوش ہو کر کہا۔

"اب کیا پروگرام ہے باس؟"

"پروگرام — پروگرام تو بڑے باس ہی بتائیں گے آکر۔"

"جی کیا فرمایا، بڑے باس — یہ بڑے باس کہاں سے ٹپک پڑے۔" استاد نے حیران ہو کر کہا۔ "پہلے تو کبھی آپ نے بڑے باس کا ذکر نہیں کیا۔"

"بھئی، ہر بات تو بتانے والی نہیں ہوتی، آج ضرورت پڑی تو بتا دیا۔"

"حیرت ہے، پھر تو یہ کوئی بہت بڑا معاملہ ہے، جس میں بڑے باس بھی شرکت کریں گے۔" استاد بولا۔

"ہاں، بڑا ہی سمجھ لو۔" باس نے بے پروائی سے کہا۔



"ہمیں ان کا کب تک انتظار کرنا پڑے گا۔" ٹامو نے پوچھا۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا؛ تاہم وہ صبح سے پہلے ضرور آجائیں گے۔"

"کیا انہیں اس ٹھکانے کا علم ہے؟"

"گوگی لے کر آئے گا انہیں، تم فکر نہ کرو۔" اس نے کہا۔

اور کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی — محمود، فاروق اور فرزانہ کی پیشانیوں پر بل پڑ گئے — ان کی الجھن میں اضافہ ہونے لگا — یہ تو کوئی لمبا چکر تھا —

○

انسپکٹر جمشید کی جیپ ایک پرانی اور بے حال آبادی کے ایک مکان کے سامنے رک گئی — جیپ سے اتر کر انہوں نے مکان کے دروازے پر دستک دی — فوراً ہی دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر کے آدمی کی صورت دکھائی دی — گلی میں بلب جل رہا تھا۔ اور اس کی روشنی انسپکٹر جمشید کے چہرے پر پڑ رہی تھی — ادھیڑ عمر آدمی نے ان کے چہرے پر ایک نظر ڈالی اور پھر بولا:

"فرمائیے، میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"جگو، تمہاری نظر کمزور ہو گئی ہے شاید۔"

"ارے، یہ آواز تو دنیا کے سراغرسانی کے بادشاہ کی ہے۔"
جگو اچھل پڑا۔

"بے جا تعریف نہیں چلے گی جگو۔ میں تو ایک عام آدمی ہوں۔ چلو خدا کا شکر ہے، تم نے مجھے پہچان تو لیا۔" وہ بولے۔

"آپ کا خیال ٹھیک ہی ہے۔ میری نظر بہت کمزور ہو گئی ہے اور اپنی عینک میں اندر ہی چھوڑ آیا ہوں، لیکن میرا خیال آپ کو کس طرح آ گیا۔"

"تم سے ایک ضروری کام ہے جگو۔ لیکن کام دروازے پر کھڑے رہ کر نہیں بتایا جا سکتا۔"

"اوہ۔" جگو پریشان ہو کر بولا۔

"تم پریشان ہو گئے جگو۔ میں جانتا ہوں، اندر تمہارے کچھ دوست موجود ہیں، مجھے ان سے کوئی غرض نہیں۔ تم مجھے کسی الگ کونے میں لے چلو اور اگر اندر لے جانا بالکل ہی پسند نہیں کرتے، تو آؤ میری جیپ میں بیٹھ جاؤ۔ ہم وہاں بیٹھ کر باتیں کر لیتے ہیں۔"

"یہ۔ یہ۔ ٹھیک رہے گا۔" اس نے ہانپتی کانپتی آواز میں کہا۔

"تو پھر آؤ۔" وہ بولے۔



"ذرا ٹھہریے، میں عینک لے آؤں۔" جگو نے کہا اور فوراً واپس مڑ گیا۔ انسپکٹر جمشید کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ایک منٹ بعد جگو کی واپسی ہوئی۔ اب اس کی آنکھوں پر موٹے شیشوں کی عینک نظر آئی۔

"چلیے جناب۔" اس نے کہا۔

وہ اسے لے کر جیپ تک آئے، پھر دونوں اگلے حصے میں بیٹھ گئے۔

"جگو، میں تمہارے گہرے دوست کے بارے میں معلوم کرنے آیا ہوں۔"

"جی، کون سے گہرے دوست کے بارے میں۔" اس نے حیران ہو کر کہا

"تو نہیں جگو، تم نے عینک کے بغیر بھی مجھے پہچان لیا تھا۔ اس وقت بھی تم نے بننے کی کوشش کی تھی۔ اب پھر بھونڈی کوشش کر رہے ہو۔ تم سے واقف لوگوں میں سے بھلا کون نہیں جانتا کہ تمہارا گہرا دوست کون ہے۔ اگر اب بھی تم بننے کی کوشش کرو گے تو میں یہ کہوں گا کہ میں شنکو کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"اوہو، تو آپ شنکو کی بات کر رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ میرا کسی زمانے میں بہت گہرا دوست تھا لیکن اب نہیں۔ میرا اور اس کا راستہ الگ الگ ہے۔ ایک مدت سے ہم دونوں نہیں ملے۔"

"چلو ٹھیک ہے، میں مانے لیتا ہوں، لیکن یہ نہیں مان سکتا کہ تم اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ تمہیں یہ تو ضرور معلوم ہوگا کہ وہ اب کہاں ہوتا ہے۔ یا کس کے ساتھ کام کرتا ہے۔"

"جن دنوں میں اور وہ بنکوں میں ڈاکے ڈالا کرتے تھے، ان دنوں میں اس کے بارے میں ہر سوال کا جواب دے سکتا تھا، لیکن جب سے میں نے یہ کام چھوڑا ہے، مجھے اس کی کوئی خبر نہیں، ویسے اڑتی پڑتی خبریں سننے میں آئی ہیں کہ وہ اب کسی بڑے آدمی کے لیے کام کرتا ہے۔"

"اس آدمی کا نام کیا ہے؟"

"یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔" اس نے کہا۔

"معلوم نہیں یا مجھے بتانا نہیں چاہتے۔"

"معلوم ہی نہیں، ورنہ بتانے میں کیا حرج تھا۔" اس نے کہا۔

"اچھا جگو، اب میری باری ہے۔ سزا کاٹنے کے بعد بے شک تم نے کسی بنک میں ڈاکا نہیں ڈالا اور مشہور یہی ہے کہ اب تم جرائم کی زندگی سے کنارا کر چکے ہو، لیکن اصل بات یہ ہے جگو کہ تم ان دنوں ایک اور دھندا کرتے ہو اور وہ دھندا ہے جوئے کا۔ تمہارے گھر میں ہر روز جوا کھیلا جاتا ہے۔ تم جواریوں سے صرف اپنا کمیشن لیتے ہو۔ خود جوا نہیں کھیلتے، لہذا نفع میں ہی رہتے ہو۔ نقصان کا



سوال پیدا نہیں ہوتا، لیکن ہمارے ملک میں جوا غیر قانونی کام ہے۔ لہذا قانون کی نظروں میں تم مجرم ہو اور میں تمہیں گرفتار کرتا ہوں۔"

"آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ میں اپنے گھر میں جوا کھلاتا ہوں۔"

"تمہارے گھر میں اس وقت بھی جواری موجود ہیں۔ جب تم نے دروازہ کھولا تھا تو میرے کانوں میں چند آوازوں کی بھنک پڑ گئی تھی۔ در اصل تم اور اندر موجود لوگ یہ سمجھے تھے کہ کوئی جواری آیا۔ اگر کہیں تمہیں یہ معلوم ہوتا کہ آنے والا کون ہے تو دروازہ کھولنے سے پہلے ان سب کو خاموش کرنا ضروری خیال کرتے اور اسی لیے تم مجھے اپنے گھر میں لے کر نہیں گئے۔"

"م، میں — میں شنکو کا پتا بتانے کے لیے تیار ہوں۔"

"بتاؤ یا نہ بتاؤ — میں تمہیں جوا کھلانے کے جرم میں گرفتار ضرور کروں گا۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی ان کے ہاتھ میں پستول نظر آیا، پھر انہوں نے بائیں ہاتھ سے جیب میں لگے فون کا ریسیور اٹھا کر کہا:

"ہیلو، انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔ گلنار کالونی میں پچیس آدمیوں کی فوری ضرورت ہے۔"

"اوکے سر، صرف تین منٹ میں آدمی پہنچ رہے ہیں۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

جگو کا رنگ سفید پڑ گیا۔ اس نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"اگر آپ مجھے فرار ہونے کا موقع دے دیں تو میں شنکو کو گرفتار

کرا سکتا ہوں۔"

"اچھا، یہ سن کر خوشی ہوئی کہ تم اپنے گہرے دوست کو گرفتار کرا سکتے ہو۔ شکریہ جگو، اب مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔"

"شنکو ان دنوں عام طور پر ہوٹل نیاگرا میں بیٹھتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مجھے اس آدمی کا نام معلوم نہیں، جس کے لیے وہ کام کر رہا ہے۔"

"میں پوچھ بھی کب رہا ہوں؟" انہوں نے منہ بنایا۔

"اور وہ ہوٹل نیاگرا کے ہال میں رات کا کھانا ضرور کھاتا ہے۔ لیکن ہلکے قسم کے میک اپ میں ہوتا ہے۔"

"میں تمہیں پھر بھی نہیں چھوڑوں گا جگو، کیونکہ تم غیر قانونی کام کرتے رہے ہو۔" وہ بولے۔

جگو کو سانپ سونگھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں مردنی دوڑ گئی۔ آخر ٹھیک تین منٹ بعد پولیس وہاں پہنچ گئی۔ انہوں نے جگو کو ان کے حوالے کیا اور باقی لوگوں کے بارے میں ہدایات دیں۔ پندرہ منٹ کے اندر تمام لوگ گرفتار کیے جا چکے تھے۔ اب ان کا رخ ہوٹل نیاگرا کی طرف تھا۔ ہوٹل نیاگرا کا مینیجر انہیں اچھی طرح جانتا تھا۔ انہیں اندر داخل ہوتے دیکھ کر پہلے تو وہ چونکا، پھر ان کی طرف لپکا۔



"آئیے جناب، تشریف لائیے۔ میرے ایسے نصیب کہاں کہ آپ میرے ہوٹل کو رونق بخشیں۔"

"شنکو کہاں ہے؟" انہوں نے منہ بنا کر پوچھا۔

"شنکو۔ اوہ میں سمجھا، آپ اس شنکو کی بات کر رہے ہیں، جو ایک زمانے میں بنک میں ڈاکے ڈالا کرتا تھا۔ پھر وہ غائب ہو گیا...... تو جناب، یہ ٹھیک ہے۔ وہ اس ہوٹل کے کھانوں کا بہت شوقین تھا اور ہر روز رات کو یہیں کھانا کھاتا تھا، لیکن اب تو مدت ہو گئی اسے دیکھے۔"

"لیکن اس کے دوست جگو کا کہنا ہے کہ وہ اب بھی ہر روز کھانا یہیں کھاتا ہے۔"

"ارے باپ رے، یہ بات تو مجھے آج اور اسی وقت ہی معلوم ہوئی۔ اگر پہلے معلوم ہو جاتی تو ضرور پولیس کو فون کرتا۔" اس نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"جگو نے بتایا ہے کہ وہ ہلکے قسم کے میک اپ میں یہاں آتا ہے۔"

"اوہ، ضرور یہی بات ہے۔ اسی لیے تو میں اسے پہچان نہیں سکا آج تک۔"

"خیر، میں بیروں اور کاؤنٹر کلرک سے معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔" وہ بولے۔

آدھ گھنٹے کی تفتیش کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ شنکو کے حلیے کا ایک آدمی واقعی یہاں ہر روز کھانا کھانے آتا ہے، لیکن آج نہیں آیا؛ چنانچہ وہ ناکام ہو کر ہوٹل سے باہر نکلے اور جیپ میں بیٹھ کر گھر کی طرف روانہ ہوئے — دروازے پر پہنچتے ہی انہیں ایک جھٹکا لگا۔ دروازہ چوپٹ کھلا تھا اور اس وقت رات کے دس بج رہے تھے۔



# آخری خواہش

ٹھیک ایک گھنٹے بعد انہوں نے پھر کار کی آواز سنی۔ چند منٹ بعد دو آدمی آگے پیچھے چلتے اندر داخل ہوئے۔ باس یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا:

"بڑے باس آ گئے۔" اس کے ساتھی بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ بدستور فرش پر لیٹے رہے۔

"ارے تم بھی تعظیم کے لیے اٹھو۔" استاد نے کہا۔

"شکریہ، یہ تمہارے بڑے باس ہیں۔ ہمارے تو چھوٹے بھی نہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کیا رپورٹ ہے ڈیئر۔" بڑے باس نے آتے ہی کہا۔ اس کے پیچھے آنے والا بھیگی بلی نظر آ رہا تھا۔

"سب ٹھیک ہے باس، آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی، کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟"

"نہیں، گوگی ٹھیک وقت پر پہنچ گیا تھا۔ ہر کام وقت پر ہوا:"

بڑے باس نے کہا۔

"اب کیا حکم ہے؟"

"ان تینوں کو ایک گڑھا کھود کر زندہ دفن کر دو، تاکہ انسپکٹر جمشید ان کی یاد میں پاگل ہو جائے اور کبھی ہم جیسوں کے مقابلے میں آنے کے قابل نہ رہے۔"

"بہت اچھا — چلو گوگی، ماموں، روڈے، گڑھا کھودو۔ تمہیں صرف ایک گھنٹا دیا جاتا ہے۔"

"لو بھئی، ہمارے تو دفن کا انتظام ہونے لگا، اب کیا ہوگا؟" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"دفن کیا جائے گا ہمیں، اس کے علاوہ اور کیا ہوگا۔" فاروق بولا۔

"لیکن کیوں، دفن سے پہلے ہمیں یہ بھی تو بتانا چاہیے کہ یہ سب چکر کیا ہے — ہمارا قصور کیا ہے۔" فرزانہ چیخ کر بولی۔

"قصور کی تو بات ہی نہ کرو۔ تم لوگوں کے قصور تو اتنے ہیں کہ انگلیوں پر بھی نہیں گنے جا سکتے اور تم جتنا چاہے چیخ لو۔ تمہاری آواز سن کر کوئی نہیں آئے گا، کیونکہ دوسری سڑک تک آواز جا ہی نہیں سکتی — اس دلدلی سڑک کی طرف آنے کی جرأت تو کوئی دن کے وقت بھی نہیں کرتا — رات کو تو کوئی کیا آئے گا۔" چھوٹا باس بولا۔



"اگر ہمارے قصور اس قدر زیادہ ہیں تو ان سب کو جانے دیں، صرف وہ قصور بتا دو جو ہم نے آپ کے معاملے میں کیا ہے۔ ہمیں معلوم تو ہو۔"

"یہی کیا کم قصور ہے کہ تم نے ہمارے دشمن کو اپنے گھر میں مہمان رکھا۔" بڑا باس مسکرا کر بولا۔

"بس اتنے سے قصور کی اتنی بڑی سزا۔"

"یہ سزا صرف اس قصور کی نہیں — اب تک تم لوگ جو گل کھلاتے رہے ہو، یہ ان سب کی سزا ہے۔" بڑا باس بولا۔

"لیجیے اب قصوروں کی جگہ گلوں نے لے لی — آپ تو گرگٹ کی طرح رنگ بدل رہے ہیں۔" فاروق بولا۔

"تمہاری باتیں بھی آج تمہیں نہیں بچا سکیں گی۔"

"تو آپ جانتے ہیں کہ فاروق باتونی ہے۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں۔" بڑے باس کے منہ سے سوچے سمجھے بغیر نکل گیا۔

"بہت خوب — اس کا مطلب ہے، آپ بھی ہمارے لیے نا واقف نہیں ہیں۔ تب پھر آپ ضرور میک اپ میں ہیں۔"

"فرزانہ، تم بہت چالاک ہو۔ میں تسلیم کرتا ہوں۔" بڑا باس ہنسا۔

"شکریہ جناب، یہ جان کر اور بھی خوشی ہوئی کہ آپ ہمارے

نام بھی جانتے ہیں۔" محمود بولا۔

"لیکن افسوس، تم زیادہ دیر تک خوشی محسوس نہیں کر سکو گے۔ تمہارے لیے موت کا گڑھا تیار کیا جا رہا ہے۔ یہاں زمین ہے بھی دل دلی، نیچے ہی نیچے نہ جانے تم کہاں پہنچ جاؤ گے۔" بڑا باس بولا۔

"ارے باپ رے۔ گویا ہم مرنے کے بعد بھی سفر کرتے رہیں گے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں تمہارا اصل سفر تو مرنے کے بعد ہی شروع ہو گا۔" وہ ہنسا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ ہر انسان کا اصل سفر مرنے کے بعد ہی شروع ہوتا ہے۔" محمود نے فوراً کہا۔

"تمہاری زندگی اب ایک گھنٹے سے بھی کم رہ گئی ہے، جتنی باتیں کرنا چاہتے ہو کر لو۔ کوئی حسرت نہ رہ جائے۔"

"آپ ہماری آخری خواہش پوری نہیں کریں گے۔ مرنے والوں کی آخری خواہش کا احترام تو سبھی کرتے ہیں۔" فاروق نے سوچے سمجھے بغیر کہا۔

"تو تمہاری کوئی آخری خواہش بھی ہے۔ جلدی بتاؤ، سُن کر ہی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں محمود، فرزانہ، ہماری آخری خواہش کیا ہونی چاہیے۔"

"بھئی، تم خود ہی بتاؤ۔ یہ سوال تم نے ہی اٹھایا ہے۔" فرزانہ



بولی۔

"چلو خیر، میں ہی بتا دیتا ہوں۔ تو جناب، بڑے باس صاحب، ہماری آخری خواہش یہ ہے کہ آپ ہمیں اپنا اصلی چہرہ دکھا دیں۔"

"ارے، یہ تو تم نے بہت معمولی خواہش بیان کی ہے، کوئی بڑی خواہش کرتے۔ خیر، تمہاری یہ خواہش ضرور پوری کروں گا، جب تمہیں گڑھے میں ڈالا جا رہا ہو گا تو میں تمہاری آخری خواہش پوری کر رہا ہوں گا، لیکن میں اپنا صرف نام بتاؤں گا۔ میک اپ نہیں اتاروں گا۔"

"وہ کیوں، کیا آپ کا اصلی چہرہ بہت بدصورت ہے۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"ارے نہیں، یہ بات نہیں۔" اس نے کہا اور پھر چھوٹے باس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"گڑھے کی کھدائی کا کام تسلی بخش رفتار سے جاری ہے یا نہیں، ذرا دیکھ لو، کہیں ہمیں دیر نہ ہو جائے۔"

"جی بہتر۔ میں دیکھتا ہوں۔" اس نے کہا اور باہر نکل گیا۔

اب کمرے میں صرف بڑا باس رہ گیا تھا اور اس کے ہاتھ میں کوئی پستول یا خنجر بھی نہیں تھا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے جلدی جلدی ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اسی وقت انہوں نے اس کی آواز سنی۔

"میں جانتا ہوں، تم ایک دوسرے سے کیا کہنا چاہتے ہو، یہی،

کہ دشمن اس وقت تک بالکل اکیلا ہے اور ہاتھ میں کوئی ہتھیار بھی نہیں — کیوں نہ اس پر ٹوٹ پڑیں — تو بھئی، آ جاؤ، کر لو مجھ سے دو دو ہاتھ — جیب میں پستول بھی موجود ہے اور کچھ دوسرے ہتھیار بھی — لیکن تمہارے مقابلے میں میں انہیں نکالنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا، تم تو ابھی کل کے بچے ہو — ہاں، انسپکٹر جمشید یہاں موجود ہوتے تو اس وقت میرے ہاتھ میں پستول ضرور ہوتا۔" اس نے طنز بھرے لہجے میں کہا۔

تینوں طیش میں آ گئے — محمود نے سرد آواز میں کہا:

"یہ بات ہے، تو یہ لو — ہم تمہارے مقابلے میں آ گئے ہیں۔" اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی تینوں اچھل کر کھڑے ہو چکے تھے۔

"بہت خوب یہ ہوئی نا بات — بھئی، تم میرے چاروں ساتھیوں کی ذرا بھی فکر نہ کرو۔ وہ ہمارے درمیان دخل اندازی نہیں کریں گے۔" اس نے کہا۔

تینوں نے تین چھلانگیں بیک وقت لگائیں، لیکن یہ چھلانگیں اس کی طرف نہیں، تین سمتوں میں لگائی گئی تھیں اور اب وہ کمرے کے تین طرف کھڑے تھے — بڑا باس ان کے درمیان میں تھا۔ یہ دیکھ کر اس نے ہنس کر کہا:

"واہ، مزا آ گیا — اب مجھ پر تین طرف سے حملہ ہوگا — خیر یونہی





محمود نے آؤ دیکھا نہ تاؤ — بلا کی رفتار سے دوڑ کر سر کی ایک ٹکر اس کی کمر پر رسید کی — وہ اپنی جگہ سے اچھل گیا اور محمود سیدھا دیوار کی طرف چلا — اگر اپنے دونوں ہاتھ آگے نہ کر دیتا تو اس کا سر دیوار سے ٹکرا گیا ہوتا۔ محمود کا وار خالی جاتے دیکھ کر فاروق نے اس کی طرف چھلانگ لگائی۔ اس نے چاہا تھا کہ اس کے قریب گرتے ہی اس کی ٹانگیں پکڑ کر کھینچ لے گا، لیکن اس کے ہاتھ بھی جھول کر رہ گئے — وہ تو اس سے دور کھڑا مسکرا رہا تھا — اب فرزانہ حرکت میں آئی — اسے اور تو کچھ نہ سوجھا، کمر کی طرف سے چھلانگ لگا کر اس کی گردن سے چمٹ جانے کی کوشش کی، لیکن دھڑام سے گری — دشمن ان کی امیدوں سے زیادہ پھرتیلا تھا۔

"ایسے نہیں بھئی، تینوں ایک ساتھ حملہ کرو۔ اس طرح تو تم چوٹ کھا جاؤ گے۔" اس نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔ اسی وقت چھوٹا باس کمرے میں داخل ہوا اور پھر حیران رہ گیا، کیونکہ اس وقت تک وہ تینوں جھک کر حملہ کرنے کی پوزیشن میں آ چکے تھے اور ادھر باس بچنے کی کوشش میں نظر آ رہے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے سر؟" چھوٹے باس نے حیران ہو کر کہا۔

"مقابلہ۔" وہ ہنسا۔

"خبردار، تم تینوں اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کرنا۔" چھوٹا باس غرایا — ساتھ ہی اس نے اپنے پستول والے ہاتھ کو حرکت دی۔

"نہیں بھئی، اس مقابلے کی دعوت میں نے ہی انہیں دی ہے۔ تم اس میں کوئی دخل اندازی نہیں کرو گے"

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی تینوں نے ایک ساتھ اس پر چھلانگیں لگائیں اور پھر تینوں ایک دوسرے سے ٹکرا کر دھڑام سے گرے۔ وہ تو اچھل کر ان کے درمیان سے نکل گیا تھا۔

دھڑام سے گرنے کے بعد انہوں نے سوچا، وہ تینوں اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ وہ ان سے کہیں زیادہ تیز طرار اور پھرتیلا تھا۔

"بس جناب، ہم مان گئے آپ کو — ہم واقعی آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتے، لیکن ہمارے ابا جان کو شکست دے کر دکھائیں تو مانیں۔"

"وہ اس وقت اگر یہاں ہوتے تو تمہاری یہ خواہش بھی پوری ہو جاتی — وہ بے چارے تو نہ جانے اس وقت کہاں بھٹک رہے ہوں گے۔ تمہیں اور ہمیں کہاں کہاں تلاش کر رہے ہوں گے"

"تو تمہارے خیال میں وہ یہاں نہیں پہنچ سکیں گے" محمود نے جلدی سے پوچھا۔

"بہت مشکل ہے، اور اگر کسی طرح پہنچ بھی گئے تو بھی منہ کی کھائیں گے" اس نے کہا۔

"تب تو ہمیں بھی دعا مانگنی چاہیے کہ وہ یہاں نہ ہی پہنچیں



ہمارے سامنے وہ منہ کی کھائیں، یہ تو ہم برداشت کر ہی نہیں سکیں گے — اور اس گڑھے میں گرنے سے پہلے ہی مر جائیں گے" فاروق بولا —

ٹھیک پینتالیس منٹ بعد ٹامو، روڈا اور گوگی اندر داخل ہوئے۔ ان کے سانس پھولے ہوئے تھے۔

"گڑھا تیار ہے جناب" ٹامو نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"تمہارے آدمیوں کے سانس اتنی جلدی پھول گئے — یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی" بڑے باس نے کہا۔

"ہم نے ایسا کام پہلے کبھی نہیں کیا جناب" روڈا منہ بنا کر بولا۔

"روڈے، کس لہجے میں بات کر رہے ہو۔ کیا ان تینوں کے ساتھ خود بھی گڑھے میں دفن ہونے کا ارادہ ہے" چھوٹا باس گرجا۔

"معاف کیجیے گا جناب، ہم اس کے ساتھ تو ہرگز دفن نہیں ہوں گے"

"کیوں، اس میں کیا حرج ہے!" بڑا باس مسکرایا۔

"اس طرح مرنے کے بعد بھی ہمیں چین نہیں ملے گا۔ موت کے اس گڑھے میں قبر کا عذاب مسٹر روڈے کو دیا جائے گا، [illegible] کی آنچ ہم تک پہنچے بغیر نہیں رہ سکے گی" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"گھبراؤ نہیں، روڈا مجھے نہیں جانتا۔ اس نے اس لہجے میں بات کر بیٹھا۔ میرا اسے سزا دینے کا کوئی ارادہ نہیں — چلو بھئی لے چلو

انہیں۔"

جوں ہی روڈا، ٹامو اور گوگی ان کی طرف بڑھے، وہ بھڑک کر بھاگے اور کمرے سے نکل گئے۔

"ارے بھئی، بھاگ کر کہاں جاؤ گے، دَل دَل میں پھنس جاؤ گے"

انہوں نے بڑے باس کی ہنسی کی آواز سُنی۔

لیکن انہوں نے مڑ کر بھی نہ دیکھا اور عمارت سے باہر نکل گئے۔

اپنے پیچھے دوڑتے قدموں کی آواز وہ صاف سُن رہے تھے۔

○

وہ بوکھلاہٹ کے انداز میں اندر داخل ہوئے۔ تقریباً دوڑ کر بیگم کے کمرے میں پہنچے۔ وہ اسی طرح بے ہوش پڑی تھیں۔ سانس کی آمد و رفت جاری تھی — یہ دیکھ کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا، پھر وہ مہمان کے کمرے کی طرف لپکے۔ یہاں عجیب بے ترتیبی کے آثار تھے — بستر کی چادر فرش پر پڑی تھی — مہمان کا ایک جوتا بستر کے قریب اور دوسرا دروازے کے قریب پڑا تھا — ایک کرسی الٹی پڑی تھی۔ میز اپنی جگہ پر نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خوب دھینگا مشتی ہوئی ہے۔ انہوں نے باقی مکان کا جائزہ لیا لیکن کہیں بھی گڑبڑ کے آثار نہیں تھے؛ گویا مہمان کو اغوا کر لیا گیا تھا۔



سب سے پہلے انہوں نے ڈاکٹر انصاری کو فون کیا۔ ان کی نیند میں ڈوبی آواز سنائی دی:

"ہیلو، ڈاکٹر انصاری بول رہا ہوں۔"

"میں انسپکٹر جمشید ہوں ڈاکٹر صاحب، بیگم تو اب تک ہوش میں نہیں آئیں۔"

"اوہ، میں آرہا ہوں۔" دوسری طرف سے گھبرا کر کہا گیا اور پھر ریسیور رکھ دیا گیا — ایسے میں انہیں منان کھوٹو کا خیال آیا۔ انہوں نے ان کے نمبر ملائے — جلد ہی ملازم کی آواز سنائی دی۔ اسے اپنا نام بتاتے ہوئے انہوں نے اکرام سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی —

"ہیلو اکرام، سناؤ، یہاں کیا حالات ہیں؟"

"ہر طرح خیریت ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"کھوٹو صاحب کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں سو رہے ہیں۔"

"ذرا دیکھ کر بتاؤ، سو رہے ہیں یا جاگ رہے ہیں؟" انہوں نے کہا۔

"جی بہتر، ابھی بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر اکرام نے میز پر ریسیور رکھ دیا — جلد ہی اس کی آواز سنائی دی:

"وہ بستر پر دراز ہیں جناب، میں نے دروازے پر دستک دی،

لیکن ٹس سے مس بھی نہیں ہوئے۔"

"یوں کام نہیں چلے گا اکرام، دروازہ زور سے دھڑ دھڑاؤ۔ اگر وہ زندہ سلامت ہیں، تو ضرور تمہاری آواز سن کر جاگ جائیں گے۔"

"اوہ، میں دیکھتا ہوں۔" اس نے کہا اور پھر خاموشی چھا گئی۔

اس مرتبہ پورے دو منٹ بعد اس کی آواز سنائی دی اور یہ دو منٹ انسپکٹر جمشید نے بہت مشکل سے گزارے۔ اکرام کی آواز کی گھبراہٹ سے ان کا اطمینان بھی رفو چکر ہو گیا۔

"ہیلو سر، مجھے دروازے کا شیشہ توڑ کر چٹخنی گرا کر اندر داخل ہونا پڑا۔ کیونکہ ان کے جسم میں کوئی حرکت ہی نہیں ہو رہی تھی۔ اور جناب، یہ حیرت انگیز ترین خبر ہے کہ وہ اپنے بستر پر تھے ہی نہیں دو گاؤ تکیوں پر لحاف اوڑھا دیا گیا تھا۔ مطلب یہ کہ مسٹر کھوٹو غائب ہیں جناب، کوٹھی کا پچھلا دروازہ کھلا ملا ہے۔"

"اوہ، مجھے بھی یہی ڈر تھا۔ تم فوراً یہاں آ جاؤ۔ میں گھر سے بات کر رہا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

ڈاکٹر انصاری جلد ہی پہنچ گئے۔ انہوں نے ایک بار پھر بیگم جمشید کا معائنہ شروع کر دیا، پھر سر اٹھا کر انہوں نے کہا:

"خطرے والی کوئی بات نہیں ہے۔ انہیں ضرور بے ہوشی کی دوا سنگھائی گئی ہے، جو ذرا تیز قسم کی تھی۔"

"کیا آپ یہاں کچھ دیر کے لیے ٹھہر سکتے ہیں۔ مجھے محمود، فاروق



اور فرزانہ کی تلاش میں نکلنا ہے۔"

"ہاں، کیوں نہیں۔ بے فکر ہو کر جائیں۔ جب واپس لوٹیں گے، تو بیگم کو ہوش میں پائیں گے۔" انہوں نے مہربان مسکراہٹ ہونٹوں پر لاتے ہوئے کہا۔

اسی وقت اکرام پہنچ گیا اور وہ اسے ساتھ لے کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ سیدھے اس پولیس سٹیشن پہنچے، جس کے حوالے جگو کو کیا گیا تھا۔ جگو اب حوالات میں تھا اور سلاخوں سے سر لگائے بیٹھا تھا۔

"ہیلو جگو، ہم نے معلوم کر لیا ہے کہ شنکو ان دنوں مسٹر کھوٹو کے لیے کام کر رہا تھا۔" انہوں نے سلاخوں کے پاس رکتے ہوئے کہا۔ جگو اچھل پڑا۔

"اوہ۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"اب تم کیا کہتے ہو؟"

"آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

"اپنے دوست کے چھپنے کا ٹھکانا بتا دو۔ اس صورت میں تم سے بہت نرم سلوک کیا جائے گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ ورنہ شنکو تک پہنچ تو ہم جائیں گے ہی۔"

"مشرقی جنگل میں سڑک جہاں دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے، دلدلی سڑک پر چلے جائیں تو ایک پرانی عمارت نظر آتی ہے۔ وہی

عمارت شنکو کا ٹھکانا ہے۔"

"شکریہ جگو، تو تم بھی باقاعدہ اس کے ساتھ شامل ہو او[ر]
ستان کھوٹو کے لیے کام کرتے رہتے ہو۔"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آؤ اکرام جلدی کرو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

دوسرے ہی لمحے ان کی جیپ مشرقی جنگل کی طرف اُڑی جا
رہی تھی — انسپکٹر جمشید کے ہونٹ سختی سے بھنچے ہوئے دیکھ کر اکرام
کو کچھ پوچھنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

اور پھر وہ دلدلی سڑک پر مڑ گئے — رفتار اب انہوں نے
آہستہ کر لی۔ پھر جنگل میں ایک جگہ روشنی کی ایک کرن دیکھ کر و[ہ]
جیپ سے اتر آئے اور اس طرف بڑھے۔

"میرا خیال ہے، آس پاس زمین دلدلی ہے، اکرام ذرا احتیاط
سے چلنا۔"

"جی بہتر، میں آپ کے پیچھے ہوں۔" اس نے کہا۔

ایک جگہ تین کاریں کھڑی دیکھ کر ان کی حیرت بڑھی۔

"اوہو، یہاں تو شاید کئی آدمی موجود ہیں۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"تو کیا میں جیپ سے فون کر کے مدد بلا لوں؟"

"ہاں، فون کر ہی آؤ۔ اس دوران میں رکوں گا نہیں۔ تم سیدھے
عمارت کی طرف آنا۔" انہوں نے کہا۔



"جی بہتر۔" یہ کہہ کر اکرام مڑ گیا۔ انسپکٹر جمشید آگے بڑھتے
رہے۔ اور پھر وہ عمارت کے نزدیک پہنچ گئے۔ دبے پاؤں اندر داخل
ہوئے۔ پھر فوراً ہی انہوں نے محسوس کیا کہ اندر تو کوئی بھی نہیں ہے،
عین اسی وقت عمارت کے پچھلی طرف سے ایک آواز ان کے کانوں
سے ٹکرائی۔ ان کے کان کھڑے ہو گئے۔

# خوف کے لمحات

ابھی تینوں عمارت سے باہر نکلے ہی تھے کہ بڑا باس گویا ہوا میں اُڑتا ہوا ان سے آگے نکل گیا، پھر وہ واپس مڑا اور ان کی طرف مضحکہ خیز انداز میں دیکھنے لگا — تینوں چکرا کر رہ گئے۔ انہیں اور تو کچھ نہ سوجھا، دائیں ہاتھ کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے اور پھر پندرہ بیس قدم چل کر ہی انہوں نے محسوس کر لیا کہ وہ اس طرف زیادہ دور نہیں جا سکیں گے۔ دلدل آگے نرم سے نرم تر ہوتی جا رہی تھی اور ان کے پاؤں دھنس دھنس جا رہے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ واپس پلٹے — دیکھا تو بڑا باس اور اس کے ساتھی کھڑے مسکرا رہے تھے۔

"کیوں بھئی، بھاگنا بند کیوں کر دیا — بھاگو نا۔" بڑا باس بولا۔

"نہیں جناب، ہم آپ کا دل توڑنا مناسب نہیں سمجھتے — آخر آپ لوگوں نے اتنی محنت کی ہے گڑھا کھودنے میں۔" فاروق نے مسمسی صورت بنائی۔

"جدھر بھی جاؤ گے، دلدل میں پھنسو گے — تمہارے لیے بس ایک



ہی راستہ ہے اور وہ راستہ سیدھا گڑھے تک جاتا ہے۔" بڑے باس نے شوخ آواز میں کہا۔

"بھئی واہ، کتنا اچھا راستہ ہے — آؤ بھئی چلیں۔"

"ہم ان سے لڑتے لڑتے مر جائیں گے، گڑھے میں گرنا قبول نہیں کریں گے۔" فرزانہ غرائی اور پھر بڑے باس کی طرف بڑھی۔

"اوہو، ابھی تک دم خم باقی ہے — حیرت ہے۔"

"انسپکٹر جمشید نے انہیں بہت پکا کر دیا ہے۔" چھوٹے باس نے کہا۔

فرزانہ رکے بغیر باس تک پہنچ گئی اور اس کے سینے پر سر کی ٹکر دے ماری۔ اس مرتبہ باس نے اس کے وار سے بچنے کی کوشش ہی نہیں کی — فرزانہ کا سر اس کے سینے سے ٹکرایا اور اسے یوں لگا جیسے اس نے لوہے کی کسی چیز پر سر دے مارا ہو — اس نے اپنے سینے پر فولادی خود پہن رکھا تھا — وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ محمود اور فاروق نے دائیں اور بائیں سے بیک وقت حملہ کیا اور پھر اچانک ان کی گردنیں باس کے بازوؤں میں آ گئیں —

"چلو بھئی، فرزانہ کو اٹھا لو — ان دونوں کو میں گڑھے کی طرف لے چلتا ہوں۔"

اسی لمحے محمود، فاروق اور فرزانہ نے سوچا، کیا ان کا آخری وقت آ چکا ہے۔ کیا ابا جان اس جگہ کا سراغ نہیں لگا سکے۔

ان کے دل ڈوبنے لگے۔ لمحہ بہ لمحہ وہ گڑھے کے نزدیک ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ باس رک گیا۔

"چلو، پہلے فرزانہ کو گڑھے میں ڈالو۔ دیکھو، اسے اچھل کر باہر نکلنا نصیب نہ ہو۔ ہوشیار رہنا، اس کے بعد میں محمود اور فاروق کو پھینکوں گا:"

ٹامو اور روڈے نے دونوں طرف سے فرزانہ کو پکڑا ہوا تھا۔ اچانک اس نے ایک زوردار جھٹکا مارا اور دونوں کے ہاتھوں سے نکل گئی، لیکن فوراً ہی گوگی کا بھرپور ہاتھ اس کے سینے پر لگا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹی اور گڑھے کے کنارے تک پہنچ گئی۔ گڑھے میں گرنے سے اس نے خود کو بڑی مشکل سے بچایا۔ ادھر محمود اور فاروق خود کو چھڑانے کے لیے زور لگا رہے تھے، لیکن اپنی گردنیں چھڑانا ان کے لیے ممکن نہ ہوا۔ اب روڈا، گوگی اور ٹامو ایک ساتھ فرزانہ کی طرف بڑھے۔ فرزانہ نے محمود اور فاروق کی طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھا، جیسے کہہ رہی ہو:

"خدا حافظ میرے بھائیو، اب شاید ہم دوسری دنیا میں ملیں گے۔"

عین اسی وقت ایک فائر ہوا۔ گوگی کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور وہ اچھل کر گڑھے میں گرا۔ فرزانہ نے خود کو فوری طور پر گڑھے کے کنارے پر گرا دیا اور پھر پلٹنیاں کھاتی گڑھے سے دور ہٹ



گئی۔ فائر نے انہیں ایک عجیب بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔ استاد، ٹامو اور روڈا بچنے کے لیے کچھ بھی نہ کر سکے۔ فوراً ہی تین فائر اور ہوئے اور ان کی ٹانگوں میں بھی گولیاں لگیں۔

"تم لوگ ہاتھ اوپر اٹھا رہے ہو یا دو فائر اور کروں:"

انسپکٹر جمشید کی آواز سن کر محمود، فاروق اور فرزانہ کے چہرے کھل اٹھے۔ انہوں نے ایک ساتھ نعرہ لگایا:

"وہ مارا۔"

بڑے باس نے بوکھلا کر محمود اور فاروق کو چھوڑ دیا، پھر بلا کی رفتار سے اس کا ہاتھ جیب کی طرف گیا، لیکن فوراً ہی ایک فائر ہوا اور گولی اس کے بازو کے پاس سے گزر گئی۔ وہ دھڑام سے گرا تھا۔ اور گرتے گرتے بھی اس نے پستول نکال لیا۔ اتنی دیر میں محمود اور فاروق بھی نیچے گر کر لڑھکنیاں کھاتے دور نکل گئے تھے۔ چھوٹا باس بھی ان سے کچھ فاصلے پر لڑھکنیاں کھا رہا تھا۔ ادھر بڑے باس نے اس سمت میں فائر جھونک مارا۔ جس طرف سے انسپکٹر جمشید فائر کر رہے تھے، لیکن یہ فائر اندھا دھند کیا گیا تھا۔ اسے تو انسپکٹر جمشید نظر ہی نہیں آ سکے تھے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ نے چھوٹے باس کو اپنی طرف آتے دیکھا، تو رک گئے۔ پھر جوں ہی وہ ان کے نزدیک پہنچا، تینوں اس پر پل پڑے۔

"کم از کم اسے تو قابو میں کریں۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

تینوں نے اسے گھونسوں پر گھونسے رسید کرنا شروع کر دیے۔ وہ بھی تیزی کے ساتھ ہاتھ پیر چلا رہا تھا، لیکن اب اس پر بدحواسی طاری ہو چکی تھی، جب کہ انسپکٹر جمشید کی آمد نے ان پر بلا کا جوش طاری کر دیا تھا، لہذا ان کے تابڑ توڑ گھونسوں نے اسے جلد ہی بے حال کر دیا۔ اچانک انہوں نے بڑے باس کی آواز سنی، وہ بلند آواز میں کہہ رہا تھا:

"یوں مزا نہیں آئے گا انسپکٹر جمشید۔"

"تو پھر کس طرح مزا آئے گا؟" ان کی آواز سنائی دی۔

"یہ لو، میں نے اپنا پستول پھینک دیا۔ اگر بہادر ہو تو تم بھی اپنا پستول پھینک دو۔ اور آ جاؤ میدان میں، ہم دو دو ہاتھ کر لیں۔"

"ٹھیک ہے، میں اپنا پستول پھینکا نہیں کرتا، تاہم تمہاری دعوت منظور کرتے ہوئے اسے جیب میں رکھ رہا ہوں اور سامنے آ جاتا ہوں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی عمارت کے ٹکڑے سے ظاہر ہو کر وہ سامنے آ گئے۔

"ابا جان، ہوشیار۔ یہ بہت تیز طرار ہے۔"



"فکر نہ کرو۔ اس کی خاطر تواضع تو یوں بھی ہمارا فرض بنتا ہے۔ آخر یہ ہمارا مہمان ہے۔" انہوں نے بلند آواز میں کہا۔

"جی کیا مطلب؟" تینوں بھونچکے رہ گئے۔

"ہاں، ایئر پورٹ سے تم جس مہمان کو ساتھ لاتے تھے، اس وقت وہی ہمارے مقابل ہے۔ تم اس کی بدلی ہوئی آواز سنتے رہے ہو، لیکن مجھ سے یہ اپنی آواز نہیں چھپا سکا۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔ ان کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیل گئیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کا مہمان ہی اصل مجرم ثابت ہوگا۔ اسی وقت انسپکٹر جمشید تیر کی طرح مہمان کی طرف بڑھے۔ ادھر مہمان نے ان کی طرف چھلانگ لگائی۔ دونوں پوری قوت سے ایک دوسرے سے ٹکرائے اور دھڑام سے گرے، پھر بجلی کی سی تیزی سے اٹھے اور ایک دوسرے کی طرف جھپٹے۔ اسی وقت مہمان نے اچھل کر ان کے سینے پر اپنی دونوں لاتیں ماریں، لیکن انسپکٹر جمشید بھی طوفانی رفتار سے نیچے جھک گئے۔ مہمان کی ٹانگیں ان کے سر کے اوپر سے نکل گئیں۔ دھڑ ان کے سر سے ٹکرایا، ساتھ ہی وہ اوپر اٹھ گئے۔ نتیجہ یہ کہ مہمان اور اونچا اچھل کر گرا، لیکن گرتے ہی اٹھا اور وحشیانہ انداز میں حملہ آور ہوا۔ اس مرتبہ اس کا مکا ان کی کنپٹی پر لگا، وہ چکرا گئے۔ مہمان کو موقع مل گیا۔ اس نے دوسرا مکا بھی دے مارا۔ وہ مکا ان کی ہنسلی کی ہڈی پر لگا۔ وہ دھڑام سے

گرے۔ انھوں نے اتنے زبردست مکّے اپنی زندگی میں بہت کم کھائے ہوں گے، پھر مہمان ان کے اوپر آ رہا اور ان کا گلا دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔

"انسپکٹر جمشید اب تم بچ نہیں سکو گے ــــ اس مرتبہ اس کی آواز بالکل ہی بدلی ہوئی تھی ــــ یہ بدلی ہوئی آواز سن کر انسپکٹر جمشید بھی حیرت زدہ رہ گئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ چونک اٹھے اور یہ یاد کرنے کی کوشش کرنے لگے کہ انھوں نے یہ آواز کہاں سنی ہے ــــ ادھر مہمان اپنے جسم کی ساری قوت شاید ہاتھوں میں سمیٹ لایا تھا۔ اس کا دباؤ ان کے گلے پر بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ انسپکٹر جمشید کے دونوں ہاتھ آزاد تھے، اگر وہ چاہتے تو اس کا گلا دبوچ سکتے تھے، لیکن انھوں نے ایسا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے برعکس انھوں نے عجیب حرکت کی۔ دونوں بازو زمین پر ٹکائے اور ان کے بل پر اوپر اٹھنے لگے۔ مہمان ان کے سینے پر موجود تھا، ان کے ساتھ وہ بھی اٹھا، یہاں تک کہ وہ بالکل سیدھے کھڑے ہو گئے۔ مہمان کے ہاتھ ابھی تک ان کے گلے پر جمے تھے ــــ اب اس نے اپنی ٹانگیں بھی ان کے گرد کس دیں۔ سیدھا ہونے کے بعد انسپکٹر جمشید نے دائیں ہاتھ کی ہڈی اس کی کن پٹی پر پوری قوت سے ماری اسی لمحے اس کے ہاتھ گلے پر سے ہٹتے محسوس ہوئے، لیکن فوراً بعد ہی پھر جم گئے۔ انھوں نے دوسری مرتبہ ہاتھ کی ہڈی رسید کی۔ اس بار



اس کے ہاتھ گلے پر سے یک دم ہٹے اور وہ ان سے الگ ہو کر زمین پر گرا ــــ انسپکٹر جمشید اس کے اٹھنے کا انتظار کرتے رہے۔ مگر اس نے حرکت نہ کی ــــ آخر وہ آگے بڑھے اور پوری احتیاط سے اس پر جھک کر اسے گریبان سے پکڑ کر سیدھا کیا اور ایک ہاتھ اور رسید کرتے ہوئے بولے:

"میں جانتا ہوں، جو شخص میرا پہلا ہاتھ کھا کر بھی نہ، وہ دوسرا ہاتھ کھا کر بے ہوش نہیں ہو سکتا۔ تم ضرور مکر کر رہے ہو دوست ــــ تاہم تیسرا ہاتھ کھا کر تم کم از کم مقابلے کے قابل نہیں رہ جاؤ گے۔" یہ کہہ کر انھوں نے اسے چھوڑ دیا، وہ دھڑام سے گرا اور ساکت ہو گیا۔

"اکرام بھئی تم کہاں رہ گئے؟"

"جی میں یہاں ہوں ــــ یہ حیرت انگیز لڑائی دیکھ رہا تھا۔ اکرام نے عمارت کی اوٹ سے نکل کر سامنے آتے ہوئے کہا۔

"سب سے پہلے اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈال دو ــــ مجھے ڈر ہے، یہ فرار ہونے میں کامیاب نہ ہو جائے۔"

"تین ہاتھ کھانے کے بعد بھی۔" اکرام کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں بھئی، یہ میری زندگی کے سخت ترین مقابلوں میں سے ایک تھا۔" انھوں نے کہا اور اکرام نے آگے بڑھ کر مہمان کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی۔ جلد ہی اس کے ماتحت بھی وہاں پہنچ گئے ــــ

پانچوں مجرموں کو جکڑ لیا گیا — پھر یہ قافلہ انسپکٹر جمشید کے گھر پہنچا۔ گھر پہنچ کر انہوں نے وزیرِ خارجہ اور دوسرے آفیسروں کو فون کیا آخر سب وہاں پہنچ گئے۔ سب کے چہروں پر حیرت تھی۔ ان گنت سوال تھے۔

"جمشید، اب ہمیں زیادہ بے چین تو نہ کرو۔" آئی جی صاحب بولے۔

"جی ہاں، میں ابھی سارا معاملہ سامنے رکھے دیتا ہوں — چند دن پہلے ایک دوسرے ملک سے میرے ایک دوست توقیر بارانی نے مجھے خط لکھا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ اس کا ایک دوست یہاں ایک ضروری کام کے سلسلے میں آ رہا ہے۔ میں نہ صرف یہ کہ اسے اپنے گھر میں ٹھہراؤں، بلکہ اس کام کے سلسلے میں بھی اس کی پوری مدد کروں، کیونکہ یہ شخص پردیس میں اس کے بہت کام آیا ہے۔ آج شام مہمان کو پہنچنا تھا، ہم ایئر پورٹ جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ منان کھوٹو صاحب کا فون ملا۔ وہ فوری طور پر مجھے بلا رہے تھے؛ چنانچہ مجھے وہاں جانا پڑا — اور محمود، فاروق اور فرزانہ ایئر پورٹ چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد گھر میں ایک غنڈہ صورت آدمی آ گھسا اور اس نے بیگم کو دھمکی دی کہ اگر ہم نے مہمان کے کام کے سلسلے میں اس کی مدد کرنے کی کوشش کی تو یہ ہمارے حق اچھا نہیں ہوگا — رخصت ہوتے وقت اس نے پستول کا دستہ



بھی ان کے سر پر دے مارا، جس سے وہ بے ہوش ہو گئیں۔ محمود، فاروق اور فرزانہ ایئر پورٹ سے مہمان کو گھر لے آئے — ادھر میں منان کھوٹو صاحب کے ہاں پہنچ گیا — معلوم ہوا کہ کوئی شخص انہیں جان سے مار دینا چاہتا ہے اور اس نے انہیں تین دھمکی آمیز خط لکھے ہیں — انہوں نے سر جبار پر شک کا اظہار کیا، میں نے ان تینوں خطوط کی تحریر کا جائزہ لیا اور پھر سر جبار سے بھی جا کر ملا۔ ان کے ہاتھ کی تحریر حاصل کی، لیکن ان کی تحریر خطوط والی تحریر سے نہ مل سکی — منان کھوٹو کے ہاتھ کی تحریر بھی ان خطوط سے نہیں ملی۔ درمیانی وقفے میں میں موقع نکال کر اپنے گھر بھی آیا تاکہ مہمان سے مل لوں؛ چنانچہ میں مہمان سے ملا — اندر پہنچا تو بیگم کو بے ہوش پایا — جب کہ محمود، فاروق اور فرزانہ انہیں ہوش میں لا چکے تھے اور پٹی کر چکے تھے — محمود، فاروق اور فرزانہ نے محسوس کیا تھا کہ دھمکی دینے والا کہیں آس پاس ہی موجود ہے؛ چنانچہ انہوں نے اس سے دو دو باتیں کرنے کا پروگرام بنایا — مجھ سے مشورہ کرنے کے بعد یہ تینوں گھر سے نکل گئے تھے — جب میں گھر پہنچا تو جا چکے تھے — بیگم کی بے ہوشی کی وجہ میری سمجھ میں نہ آ سکی؛ چنانچہ میں نے ڈاکٹر انصاری کو فون کیا۔ انہوں نے آ کر بیگم کو ایک انجکشن دیا اور کہا کہ اگر آدھ گھنٹے تک ہوش میں نہ آئیں تو انہیں دوبارہ فون کیا جائے، لیکن میں نے ان سے

گھر میں ہی ٹھہرنے کی درخواست کی، کیونکہ مجھے واپس ملتان کھوٹو صاحب کے ہاں جانا تھا، وہاں وزیرِ خارجہ بھی موجود تھے۔ میں باہر نکلا ہی تھا کہ فاروق اور فرزانہ آتے نظر آئے۔ ان سے معلوم ہوا کہ دھمکی دینے والے نے واقعی ان کا تعاقب کیا تھا، لہٰذا انہوں نے اسے چکر دیا اور اب محمود اس کے تعاقب میں تھا۔ انہیں واپس لوٹنا پڑا تھا؛ چنانچہ میں انہیں گھر میں چھوڑ کر ملتان صاحب کے ہاں پہنچا۔ وہاں اکرام اور دوسرے آدمیوں کو مقرر کرکے اور ہدایات دے کر میں دھمکی دینے والے کی تلاش میں نکلا۔ اس کا جو حلیہ بتایا گیا تھا، اس حلیے کے ایک آدمی کو میں بہت پہلے دیکھ چکا تھا۔ وہ بنکوں میں ڈاکے ڈالنے کا ماہر تھا؛ چنانچہ میں اس کے ایک دوست جگو سے ملا۔ یہ دونوں کسی زمانے میں ایک ساتھ ڈاکے ڈالا کرتے تھے۔ جگو سے آخر کار مجھے معلوم ہوا کہ اس کے دوست شنکو کا آج کل ٹھکانا مشرقی جنگل میں دل دلی سڑک کی طرف ہے۔ یہ معلومات حاصل کرکے میں گھر پہنچا تو یہاں سے مہمان بھی غائب تھے اور آثار ایسے تھے، جیسے انہیں اغوا کیا گیا ہے۔ بیگم ابھی تک بے ہوش تھیں۔ میں نے پھر ڈاکٹر صاحب کو فون کیا اور انہیں گھر میں چھوڑ کر مشرقی سڑک کی طرف روانہ ہوا۔ اس سے پہلے میں اکرام کو فون کرکے ملتان کھوٹو صاحب کے بارے میں معلوم کر چکا تھا۔ پہلے تو اکرام نے بتایا کہ وہ اپنے کمرے میں



آرام کر رہے ہیں، پھر جب میرے کہنے پر اس نے کھڑکی کا شیشہ توڑ کر کمرے میں داخل ہو کر دیکھا، تو بستر پر ان کی جگہ دو گاؤ تکیے سو رہے تھے۔ کوٹھی کا پچھلا دروازہ کھلا پایا گیا۔ ہاں، میں یہ بتانا بھول گیا کہ محمود بھی تعاقب کرتا ہوا مشرقی دلدلی سڑک پر پہنچ گیا تھا اور دشمنوں نے اسے پھانس لیا تھا، پھر انہوں نے ایک ساتھی کو بھیج کر فاروق کو یہ خبر سنائی کہ اس کا بھائی جنگل میں زخمی پڑا ہے۔ یہ سمجھ گئے کہ یہ جال ہے، لیکن کر بھی کیا سکتے تھے۔ محمود کے لیے جانا ضروری تھا؛ چنانچہ یہ بھی اس کے ساتھ وہاں پہنچ گئے اور پھنس گئے۔ دشمن انہیں ایک گڑھے میں زندہ دفن کر دینا چاہتے تھے۔ اگر میں دو منٹ بھی وہاں نہ پہنچتا تو یہ لوگ اپنا کام کر چکے تھے۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔ سب نے بے چینی سے پہلو بدلے۔ اور آخر وزیرِ خارجہ بولے:

"لیکن معاملہ صاف نہیں ہوا۔ آخر یہ چکر کس لیے چلایا گیا۔"

"جی ہاں، اب اسی طرف آتا ہوں۔ ہمارے مہمان کا اصل نام دراصل انورا کا ہے۔"

"کیا؟" محمود، فاروق اور فرزانہ چلا اٹھے۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں، ہم اس کے ملک جا کر اسے ایک ذلت آمیز شکست دے آئے تھے اور اپنے مقصد میں کامیابی[1] بھی حاصل کر آئے تھے۔ لیکن اس کے ملک کے ڈاکٹر اس کی زندگی بچانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ہوش میں آتے ہی اس نے بیان دیا تھا کہ یہ ہم سے انتقام لینے ایک دن ہمارے ملک آئے گا؛ چنانچہ یہ ہم سے انتقام لینے آیا تھا، لیکن خالی انتقام ہی نہیں، پروگرام یہ تھا کہ میرے گھر سے تمام خفیہ اور اہم دستاویزات بھی لے اڑے؛ چنانچہ پروگرام یہ بنایا گیا کہ میرے ہی گھر میں آ کر مہمان ٹھہرے۔ اس کے لیے پہلے توقیر بارانی کے بارے میں معلومات حاصل کی گئیں۔ اسے ملازمت دلائی گئی۔ پھر اس سے یہ ذکر کیا گیا کہ اس کے محسن کو اس ملک میں ایک کام ہے؛ چنانچہ توقیر بارانی نے اس کی آمد کا خط مجھے لکھ دیا۔ اس وقت میرے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا کہ مہمان کے روپ میں کون آ رہا ہے۔ ادھر منان کھوٹو انورا کا کے ملک کا جاسوس ہے۔ انورا کا نے منان کھوٹو کو بھی اپنے پروگرام کے بارے میں بتایا اور تجویز یہ ٹھہری کہ مجھے دوسری طرف الجھانے کے لیے منان کھوٹو خود کو دھمکی آمیز خط لکھیں گے اور پھر عین اس وقت مجھے فون کریں گے، جب میں ایئر پورٹ جانے کی تیاری کر رہا ہوں گا۔

---

[1] پسر اسرار مہم اور خونی کیمپ پڑھیے۔



ادھر منان کھوٹو کا ایک آدمی میرے گھر آ کر بیگم کو دھمکی دے گا کہ ہم مہمان کے کسی کام میں ہاتھ نہ ڈالیں — یہ اس لیے، تاکہ ہم مہمان پر کسی قسم کا شک نہ کر بیٹھیں۔ اس کے بعد مہمان کے آنے پر وہ فون بھی کرے گا، تاکہ اس سے یہ اندازہ ہو کہ دھمکی دینے والا آس پاس ہی کہیں موجود ہے؛ چنانچہ ہر کام ان کے پروگرام کے مطابق ہوا اور مجھے ذرا بھی شک نہ ہو سکا کہ یہ سب ملی بھگت ہے — پہلی مرتبہ شک اس وقت ہوا، جب میں منان کھوٹو کے گھر سے پہلے سر جبار کے ہاں گیا اور وہاں سے واپسی پر اپنے گھر گیا۔ تو مہمان سے بات کرنے کا موقع ملا — میں نے اس سے بیگم کے بارے میں پوچھا تو اس نے چھوٹتے ہی یہ کہا کہ وہ سو رہی ہیں؛ حالانکہ وہ صرف ایک مہمان تھا اور مہمان کو یہ بات کس طرح معلوم ہو سکتی تھی کہ میزبان کی بیوی اپنے کمرے میں سو رہی ہے یا جاگ رہی ہے۔ یہ بات مجھے کھٹکی تھی، پھر میں نے یہ سوچا تھا، کہ شاید کسی ضرورت کے تحت وہ بیگم کے کمرے کے دروازے تک گیا ہو اور پھر انہیں سوتا دیکھ لیا ہو، یہ بات حلق سے نہ اتر سکی؛ تاہم میں اس صورت میں زیادہ نہ سوچ سکا۔ دوسرے یہ کہ اس کی آواز نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا اور دلدل علاقے میں لڑائی کے دوران تو یہ اپنی اصلی آواز میں بول پڑا تھا۔ جس کی وجہ سے مجھے پورا یقین ہو گیا کہ اس مرتبہ مقابلہ کس سے آ پڑا ہے۔

اب یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بیگم زخمی تو پہلے سے تھیں۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کے جانے کے بعد یہ حضرت ان کے کمرے میں گئے اور انہیں بے ہوشی کی دوا سنگھا آئے، تاکہ آزادانہ سیف کھول کر اس میں سے تمام قیمتی دستاویزات نکال سکیں۔ اب رہ گیا ان تین خطوط کا معاملہ ۔۔۔ تو وہ خطوط مسٹر کھوٹو خود ہی لکھ کر اپنے آپ کو پوسٹ کرتے رہے تھے۔ تحریر بگاڑ کر تو انہوں نے وہ خطوط لکھے نہیں تھے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بائیں ہاتھ سے بھی لکھ لیتے ہیں۔ اگر یہ بات نہیں تو پھر انہوں نے وہ خط شنکو یعنی اس دھمکی دینے والے سے لکھوائے ہوں گے۔ کیونکہ بہر حال یہ تو اس پروگرام میں برابر کا شریک تھا اور تین دوسرے آدمی بھی ۔۔۔ یہ ہے کل کہانی۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

وزیرِ خارجہ کا حال سب سے برا تھا، کیونکہ ان کا دوست ملک کا غدار ثابت ہو گیا تھا ۔۔۔ آخر انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

"کیوں کھوٹو، کیا یہ درست ہے۔" یہ الفاظ انہوں نے چھوٹے باس کی طرف منہ کر کے کہے، جو اس وقت ہلکے قسم کے میک اپ میں تھا، وہ منہ سے کیا کہتا۔ وہ اور اس کے ساتھی موقع پر پکڑے گئے تھے اور ساتھ ہی انولا کا بھی ۔۔۔ حالات اور واقعات



بالکل صاف تھے۔ انکار کیا ہی نہیں جا سکتا تھا؛ چنانچہ انہوں نے پانچوں مجرموں کو لے جانے کا اشارہ کیا۔ دستاویزات پہلے ہی انولا کا سے برآمد کی جا چکی تھیں۔

"اکرام پوری ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ یہ شخص بین الاقوامی مجرم ہے۔ فرار ہونے کے اس کے پاس نہ جانے کتنے طریقے ہوں گے۔" انہوں نے ہدایات دیں۔

"آپ فکر نہ کریں۔ میں اسے فرار نہیں ہونے دوں گا۔ اس کی تلاشی لی جا چکی ہے۔ ایک بند گاڑی میں اسے یہاں سے سیدھا جیل لے جایا جائے گا۔ سپرنٹنڈنٹ کو پہلے ہی فون کیا جا چکا ہے۔" اس نے کہا۔

"بہت خوب۔ یہ ہوئی نا بات۔" وہ مطمئن ہو کر بولے۔

"جمشید، تمہیں مبارک ہو۔ اس مرتبہ تم نے ایک بہت اہم آدمی کو پکڑا ہے۔ اب دیکھنا، اسے چھڑانے کے لیے کس کس طرف سے دباؤ پڑتا ہے۔" آئی جی صاحب بولے۔

"لیکن جناب، اسے رہائی نصیب نہیں ہونی چاہیے، ورنہ یہ پھر ہم سے انتقام لینے آ دھمکے گا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"فکر نہ کرو۔ ایسا ہی ہو گا۔" ڈی آئی جی صاحب ہنسے۔

"فکر کی بات ہی نہیں، انولا اور اس کے ساتھیوں کو ضرورت ہے اور میرا انہیں مشورہ ہے کہ فکر کو سنبھال کر رکھیں۔ نہ جانے اور

کتنے موقعوں پر ضرورت پڑنے والی ہے۔" فاروق بولا اور وہ مسکرانے لگے۔ اکرام مجرموں کو لے کر باہر کا رخ کر رہا تھا۔

"ارے، ہم بیگم کو تو بھول ہی گئے۔" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"کیسوں کے علاوہ آپ کو یاد بھی کیا رہ جاتا ہے۔" ایک طرف سے بیگم جمشید کی آواز سنائی دی۔ وہ اور ڈاکٹر انصاری نہ جانے کس وقت نہایت خاموشی سے ایک صوفے پر آ کر ٹک گئے تھے۔

اور وہ سب مسکرانے لگے۔

---



## آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۸۹

# خون آلود خنجر

مصنف : اشتیاق احمد

- اس کے خلاف ہر ثبوت مکمل تھا، لیکن اس کا کہنا تھا کہ وہ مجرم نہیں ہے۔
- ایسے میں اس نے اپنی بیوی سے ایک درخواست کی۔
- درخواست کیا تھی؟
- محمود، فاروق، فرزانہ ایک عمارت میں—
- ایک شخص کی کہانی، جو ایک گمنام کلب کا ممبر تھا—

قیمت : ۵/۵۰

## آئندہ ناول کی ایک جھلک :

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۹۰

# روبال

— مصنف : اشتیاق احمد —

- خان رحمان کو ملنے والا تحفہ عجیب تھا۔
- ظہور نے اس تحفے کے ساتھ کیا سلوک کیا۔
- پروفیسر داؤد اور شائستہ بھی مہم میں شریک۔
- ایک انوکھے مجرم سے ملیے۔
- ایک ہولناک عمارت سے ان کا واسطہ۔
- آخر میں انسپکٹر جمشید مجرم سے کس طرح پیش آئے؟

ایک انوکھا ناول۔

قیمت : ۵/۵۰

## آئندہ ناول کی ایک جھلک :

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز ۲۶

# نیلا دانت

— مصنف : اشتیاق احمد —

- ایک شخص ایک عجیب وغریب بیماری کے ہاتھوں حد درجے پریشان۔
- اس کے اندر کسی کو قتل کر دینے کی خواہش تھی۔
- لیکن ایک روز معاملہ بالکل الٹ تھا۔
- ایک ایسے مجرم کی کہانی، جس نے اپنے خلاف کوئی ثبوت نہیں چھوڑا تھا۔
- آپ کے محبوب کردار اس بار خوب چکر کھاتے ہیں۔
- آخر میں آفتاب کی شوخیاں آپ کو بہت لطف دیں گی۔

قیمت : ۵/۵۰

آئندہ ناول کی ایک جھلک :

شوکی سیریز ۶

# راج محل

— مصنف : اشتیاق احمد —

- اس بار انہیں ایک شاہی کیس ملا تھا ۔
- انہوں نے راج محل کو کس طرح تلاش کیا ؟
- راج محل کیا تھا ، کن لوگوں کے استعمال میں تھا ؟
- ایک خوف ناک آدمی ، جس سے بڑے بڑے سیٹھ بھی خوف زدہ رہتے تھے ۔
- شوکی برادرز اس سے کس طرح نپٹنے میں کامیاب ہوئے ۔ آپ بے ساختہ مسکرائیں گے ۔

قیمت : ۵/۵۰



# انعامی پیکٹ

بہت سے پڑھنے والے اکثر پوچھتے ہیں ، مکتبہ اشتیاق کے انعامی پیکٹ میں کیا ہوتا ہے ؟

لیجیے ، نوٹ فرما لیجیے ۔

- انعامی پیکٹ میں مکتبہ اشتیاق کی پانچ کتابیں ہوتی ہیں ۔
- ان پانچ کتابوں میں سے چار کتابیں بالکل نئی یعنی اسی ماہ کی ہوتی ہیں
- اور ان چاروں میں سے ایک کتاب میں وہ انعامی خط یا انعامی سوال موجود ہوتا ہے ، جس پر انعام دیا جاتا ہے ۔
- پانچویں کتاب اسلامی ہوتی ہے ۔
- انعامی پیکٹ میں اگر کسی قاری کو اتفاق سے پرانی کتابیں ملیں تو فوراً شکایت کریں ۔ — شکریہ ۔

اشتیاق احمد

# آپ پر الزام ہے

نوٹ : پہلے تین الزامات انعامی قرار پائے ۔ انعامی پیکٹ روانہ کیے جا رہے ہیں ۔

---

شہادت علی طاہر ۔ گلی نمبر ۱، مکان نمبر ۱ محلہ اسلام نگر شاہدرہ لاہور

الزام : بھیا اشتیاق، آپ پر الزام ہے کہ آپ کے خاص نمبروں کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اور صفحات کم ۔ کیا آپ نے کبھی غریبی کی عینک پہن کر غریبوں کے حالات جاننے کی کوشش کی ہے ؟

ج : جی ہاں، کیوں نہیں، لیکن مہنگائی کی عینک بھی تو آڑے آتی ہے اور پھر آپ کا الزام تو ہے ہی غلط، بلکہ الٹ ۔

---

طاہر اعجاز، کالا گوجراں :

الزام : آپ پر الزام ہے کہ خطرناک پاگل کے سرورق پر کسی پاگل کی بجائے اپنی تصویر لگوائی ہے ۔

ج : تو میں آپ کو کیا نظر آتا ہوں ۔



صائمہ وزیر علی، کراچی کینٹ :

الزام : آپ پاکستان بھر کے بچوں کا ہاضمہ بگاڑنے کے ذمے دار ہیں، کیونکہ آپ کے ناولوں میں مرچ مصالحہ اس قدر ہوتا ہے کہ دیر تک چٹخارے آتے ہیں اور دوسرے ناول بچوں کو ابلی ہوئی کھچڑی لگتے ہیں ۔ بتائیے، آپ نے ایسا کیوں کیا ؟

ج : کیا نہیں، ایسا ہو گیا ہے ۔

---

طارق ۔ طارق روڈ، حیدر آباد :

الزام : آپ صرف اپنے جاننے والوں کو انعام دیتے ہیں ۔

ج : اس کا ثبوت دے کر انعام بھی حاصل کریں اور خط بھی چھپوائیں ۔

---

بدنصیب بچے، ماڈل ٹاؤن، گوجرانوالہ :

الزام : آپ نے ہمارے امی ابو کو خراب کر دیا ہے ۔ وہ آپ کے ناول خود لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور ہم سے کہتے ہیں، سکول کا کام کرو سکول کا ۔

ج : جب وہ دفتر یا باورچی خانے میں ہوں، آپ ناول اس وقت پڑھا کریں ۔

---

تنویر اقبال ۔ پنڈ دادنخان :

الزام : آپ خاص نمبروں میں آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا کو دوسری پارٹی کے مقابلے میں ہمیشہ نیچا دکھاتے ہیں۔

ج : آپ نیچا دیکھتے ہی کیوں ہیں۔

---

محمد ابراہیم۔ ہری پور ہزارہ :

الزام : ہم آپ پر الزام لگا رہے ہیں کہ آپ ہمیں الزام لگانے کا کوئی موقع ہی نہیں دیتے۔

ج : اب تو سنہری موقع دیا ہے۔

---

سیما صدیقی، کراچی :

الزام : آپ کے ناولوں میں صدر صاحب کی مارکیٹ ویلیو اتنی ڈاؤن ہوگئی ہے کہ وہ انسپکٹر جمشید کے بہت سے کیسوں کے اختتام پر خود دوڑے چلے آتے ہیں۔

ج : یہ تو حب الوطنی کا ثبوت ہے۔

---

محمد عطا احمد۔ سعود آباد، کراچی :

الزام : آپ اپنی ردی کی ٹوکری کا پیٹ ہمارے خطوط سے بھرتے ہیں، کیا اس کے لیے محاوروں کی چٹنی کافی نہیں، جب کہ ۱۴۴ صفحات کا مکمل ناول محاورات سے بھرا رہتا ہے۔



ج : ناولوں کا پیٹ بھرنے کے بعد اتنی چٹنی بچتی ہی کہاں ہے۔

---

محمد ناصر فہیم، کراچی :

الزام : آپ اپنے کرداروں کے ذریعے بے چارے محاوروں کے ہاتھ پیر تڑواتے رہتے ہیں۔

ج : اب مجھے کیا معلوم تھا، آپ محاورات کے قریبی رشتے دار ہیں۔

---

نجمہ رانی ؛ فرید ٹاؤن، ساہی وال :

الزام : آخر آپ کب تک میرے ناولوں کو اپنے نام سے چھپواتے رہیں گے؟

ج : بھئی، کوئی سچا الزام لگائیے۔ جھوٹ کے پیر نہیں ہوتے۔

---

عتیق الرحمان۔ اختر کالونی، کراچی :

الزام : آپ اپنی ہر کہانی میں امیروں کی شان و شوکت بیان کرتے ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کے ناول صرف امیر لوگ ہی پڑھتے ہیں؟

ج : ہر کہانی میں امیر کے ساتھ غریب کا ذکر ضرور ہوتا ہے۔ ناول غور سے پڑھنے کی عادت ڈالیے۔

---

ارشد محمود، قبولہ شریف :

الزام : آپ اپنے ناولوں میں محمود، فاروق اور فرزانہ کی باتوں سے ناول کا
ایندھن پیٹ پالتے ہیں۔ یہ باتیں فضول ہوتی ہیں۔

ج : پیٹ بھی اب بدمعاشوں کی طرح نمبری ہونے لگے، حیرت ہے۔

---

انسپکٹر جلال نور عرف شاہ ابوالمعالی، کراچی :

الزام : میں آپ پر الزام عاید کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے بدنام کرنے میں
کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ میں مقدمہ دائر کر رہا ہوں۔

ج : بدنام میں نہیں۔ آپ کے اعمال کر رہے ہیں آپ کو۔

---

ردی کی ٹوکری عرف محمد سہیل عثمانی، لاہور :

الزام : آپ پر الزام ہے کہ آپ مجھے مارنے لگے ہیں۔ جب سے
آپ نے تمام خطوط کے جواب دینے شروع کیے ہیں۔

ج : ہزاروں لفافے کم خوراک تو نہیں۔

---

نازیہ حسن، راولپنڈی :

الزام : آپ نے آج تک میرا کوئی خط شائع نہیں کیا۔

ج : یہ الزام تو الٹا آپ کو جاتا ہے۔ آپ نے کوئی ایسا خط کیوں نہیں
لکھا کہ میں شائع کرنے پر مجبور ہو جاتا۔

---

مشہور و معروف مصنف **اشتیاق احمد**

کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا، مزاح اور جاسوسی سے

بھرپور ناول!

## اس ماہ کے ناول

- خطوط کا فریب (انسپکٹر جمشید سیریز) ۵/۵۰
- گمنام ہمدرد ( " " " ) ۵/۵۰
- پر اسرار مجرم (انسپکٹر کامران مرزا سیریز) ۵/۵۰
- اودھ ہیرو (شوکی سیریز) ۵/۵۰

## آئندہ ماہ کے ناول

- ۸۵ خون آلود خنجر (انسپکٹر جمشید سیریز) ۵/۵۰
- ( " " ) ۵/۵۰
- ...پکٹر کامران مرزا سیریز) ۵/۵۰
- ...سیریز) ۵/۵۰

ناز یہ حسن، راولپنڈی:

الزام: آپ نے آج تک میرا کوئی خط شائ

ج: یہ الزام تو الٹا آپ کو جاتا ہے — آپ ے

لکھا کریں شائع کرنے پر مجبور ہو جاتا۔

لاہور